سہ ماہی ممبئی

افکار رضا

جولائی تا ستمبر ۲۰۰۳ء / صفر المظفر تا ربیع الآخر ۱۴۲۴ھ

یہ (کنز الایمان) ایک ایسا ترجمہ قرآن مجید ہے کہ جس میں پہلی بار اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ جب ذات باری تعالیٰ کے لیے بیان کی جانے والی آیتوں کا ترجمہ کیا گیا ہے تو بوقت ترجمہ اس کی جلالت و تقدیس و عظمت و کبریائی کو بھی ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔ جب کہ دیگر تراجم خواہ وہ اہل حدیث سمیت کسی بھی مکتبِ فکر کے علماء کے ہوں، ان میں یہ بات نظر نہیں آتی ہے۔ اسی طرح وہ آیتیں جن کا تعلق محبوبِ خدا شفیع روزِ جزا سیّد الاوّلین والآخرین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے ہے، یا جن میں آپ سے خطاب کیا ہے تو بوقت ترجمہ مولانا احمد رضا خاں نے اوروں کی طرح صرف لفظی اور لغوی ترجمہ سے کام نہیں چلایا ہے بلکہ صاحب "ما ینطق عن الھوی" اور "ورفعنا لک ذکرک" کے مقامِ عالیشان کو ہر جگہ ملحوظ خاطر رکھا ہے۔ یہ ایک ایسی خوبی ہے جو کہ دیگر تراجم میں بالکل ہی ناپید ہے۔ ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے ترجمہ میں وہ چیزیں پیش کی ہیں جن کی نظیر علماء اہل حدیث کے یہاں بھی نہیں ملتی۔

سعید بن یوسف زئی، امیر جمعیت اہل حدیث پاکستان

تحریک فکر رضا

۱۶۷، ڈیم ٹکر روڈ، ناگپاڑہ، ممبئی۔ ۴۰۰۰۰۸ (انڈیا)

R.N.I. REGISTRATION NO.: 71248/99

امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے افکار کی ترویج کا علمی علم بردار

سہ ماہی افکارِ رضا ممبئی

جولائی تا ستمبر ۲۰۰۳ء ٥ جلد ۹ شمارہ ۳ (۳۳) جمادی الاولیٰ تا رجب المرجب ۱۴۲۴ھ

مدیر : محمد زبیر قادری

منیجر : محمد اسحٰق برکاتی

Distributed in Pakistan By :
Markazi Majlis-e-Riza
P.O.Box: 2206, Lahore, Pakistan

Distributed in England By :
THE ISLAMIC TIMES
C/o. 138, Northgate Road,
Edgeley, Stockport, SK3 9NL ENGLAND

Distributed in Australia By :
SHEHZAD ALI
P.O. Box: 51, Lurnea 2170,
NSW, AUSTRALIA

Correspondence Address: رابطہ کا پتہ:
Tehreek-e-Fikr-e-Reza
167, Dimtimkar Road, Nagpada, Mumbai - 400 008.

Office Address: آفس کا پتہ:
95, Undria Street (Chowki Mohalla), Mumbai - 400 008 India
فون: 5600 8260

Website: www.fikreraza.net Email: editor@fikreraza..net

پرنٹر پبلشر: محمد اسحٰق محمد عمر نے پرنٹ ٹاپ پرنٹنگ پریس 18، شنکر بلڈنگ، ناگپاڑہ، ممبئی۔ 400008
سے چھپوا کر دفتر 167، ڈمٹمکر روڈ، ناگپاڑہ، ممبئی۔ 008 400 سے شائع کیا۔

اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحمت والا

متوسلینِ رضا

XXXXXXXXXXXXXXX

☆...... اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلوی کے نعتیہ کلیات "حدائق بخشش" میں تو سیکڑوں اشعار نورِ محمدی ﷺ کے متعلق زینتِ قرطاس ہوئے ہیں۔ خان صاحب نے اُمت کے دل میں فکرِ محمدی ﷺ سے زیادہ عشقِ محمدی پیدا کرنے کی سعی فرمائی تھی۔ اور اس مشن کو ایک تحریک کی صورت میں نہ صرف ہندوستان بلکہ عالم کے چپے چپے میں پھیلا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج عشقِ نبی ﷺ سے سرشار دلوں کی دھڑکنیں دنیا کے کونے کونے میں سنائی دیتی ہیں۔

(ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط، نعت رنگ ۱۵)

مہمان اداریہ

ہلالِ اسلام۔ صلیب کی زد میں

از: مولانا محمد منظر وسیم مصباحی

اسلام آفاقی اور فطری مذہب ہے۔ یہی حقیقت ہے، یہی صداقت ہے۔ ایک قلیل مدت میں اسلام نے اس خاکدانِ گیتی پر جو انقلاب برپا کیا تاریخ عالم اس کی مثال لانے سے قاصر ہے۔ تہذیب و تمدن اور اخلاق و رواداری سے نابلد، ظلم و بربریت کے قیامت آشوب ماحول میں صرف ۲۳ سال کی قلیل مدت میں قبولِ عام حاصل کرنا اسلام ہی کا خاصہ ہے۔ سسکتی انسانیت کے محزون چہرے پر زندگی سے بھرپور مسکان سجانے والے مذہب کا نام، بہیمت زدہ انسانیت کو امن و آشتی کے گہوارے میں جھولا جھلانے والے دین کا نام دینِ اسلام ہے۔ آج نام نہاد انسانیت کے علم برداروں کے درمیان یہی اسلام جس کس مپرسی کے عالم میں جی رہا ہے اور جس دہشت ناکی کی فضا میں صلیب و ترشول کے پاٹوں کے درمیان پس رہا ہے، یہ المناک داستان کسی اہل دانش پر مخفی نہیں۔

بین الاقوامی سطح پر یہودیت و عیسائیت اور ملکی سطح پر ہندو مت منصوبہ سازش کے تحت ہر محاذ پر کیل کانٹوں سے لیس ہوکر اسلام کے خلاف میدانِ عمل میں اتر آئے ہیں، جس قدر منظم و متحد ہوکر یہ قومیں اسلام کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کے ناپاک عزائم کے ساتھ مسلمانوں سے نبرد آزما ہیں۔

آیئے! عالمی اور ملکی سطح اسلام اور مسلمانوں کی حالتِ زار کا جائزہ لیجیے اور دیکھئے کہ اسلام مخالف طاقتیں کس قدر متحد و منظم ہوکر ہم پر حملہ آور ہیں اور ہمارا منتشر شیرازہ اس سے مقابلے کے لیے کس حد تک تیار ہے۔ ان حالات کے تناظر میں اپنے مستقبل کا اندازہ لگایئے کہ آنے والا کل ہمارا کس انداز میں استقبال کرے گا۔ آیا ہم کل کی زندگی کی خارزار راہوں پر سفر کرتے ہوئے مخالف طوفانوں اور بادِ سموم کے تیز و تند جھونکوں سے نبرد آزما ہوں گے یا سبک خرام بادِ نسیم کی نرم و گداز تھپکیوں سے لطف اندوز ہوں گے۔

ازمنہ ماضیہ میں صلیب و ہلال کے مابین بہت سی جنگیں ہوئیں اسلام کا سیلاب چہار دانگ عالم میں پھیل گیا، مسیحیت اور دیگر مذاہب اس کی تیز رو کے سامنے بہتے چلے جارہے تھے کہ تقدیر نے یکا یک پلٹا کھایا، ہلال کی رفتار صلیب نے روک دی، اس کی پُرنور شعاؤں کو پھیکا کردیا، اور اب نوبت باایں جارسید کہ عیسائیت پُر رعب آواز میں پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ اسلام خزاں رسیدہ ہوگیا ہے، اس کے پُر بہار ہونے کی کوئی امید نہ رہی۔ کیوں کہ بہاروں پر اسی کا حق ہے جو زبردست ہے۔

عہد حاضر میں عیسائی حکومتیں اسلامی سلطنتوں کی دولت کے حصے بخرے کرنے میں مصروف ہیں۔ اور ان کی دہشت گرد تنظیمیں اسلامی ممالک کے اندر تخریب کاری میں سرگرم عمل ہیں۔ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ جو حصے پہلے ہلال کے زیر حکومت تھے اب صلیب کی دسترس میں ہیں۔ زمانہ حال میں عالمی سطح پر اسلام کے لیے اگر کوئی خطرہ ہے تو وہ عیسائیت اور یہودیت ہے۔ کیا یہ خیال غلط ہے؟ اگر غلط ہے تو بتایا جائے کہ مراکش پر فرانسیسی قبضہ، طرابلس پر اطالوی قبضہ، فلسطین پر اسرائیلی قبضہ، اور حال میں افغانستان اور عراق پر امریکی حملوں کے کیا معنی ہیں؟

خلافت عثمانیہ کا خاتمہ ۱۹۲۳ء اسرائیلی سلطنت کا قیام ۱۹۴۸ء بیت المقدس پر یہودیوں کا قبضہ ۱۹۶۷ء بعد ازاں قبۃ الصخرہ کو ڈھا کر ہیکل سلیمانی (Temple of Solomon) کی تعمیر کی مسلسل کوششیں اور کویت سے عراقی انخلا کے بہانے یہود و نصاریٰ کا جزیرۃ العرب میں داخل ہونا ۱۹۹۱ء الگ الگ واقعات نہیں، بلکہ اسلام کے خلاف ایک منصوبہ بند اور منظم سازش کے مختلف مراحل تھے۔ جس کے ذریعہ اسلامی طاقتوں کو منتشر کرنا اور مسلمانوں سے اسلامی روح نکالنا مقصود تھا، لیکن جلد ہی ایران کے انقلاب ۱۹۷۹ء جہادِ افغانستان ۱۹۷۹ء اور عالم اسلام میں پیدا ہو جانے والی بیداری نے انہیں گھبرا دیا اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ اس سے قبل کہ عالم اسلام منظم ہو کر ناقابل تسخیر ہو جائے، ازسرنو اپنی مورچہ بندی کر لی جائے۔

اپنی اسی مورچہ بندی کے دوران اس خیال سے کہ عالم اسلام زور نہ پکڑ جائے انہوں نے عالم اسلام کو مختلف امور میں الجھائے رکھا، جس کا نتیجہ صومالیہ، لیبیا، عراق، لبنان اور آذربائیجان کے حوادث اور ماضی قریب میں بوسنیا، ہرزے گووینا، افغانستان، کوسوو، چیچنیا اور داغستان کے سانحوں کی شکل میں ہمارے سامنے پیش آئے۔

مورچہ بندی کی تکمیل اور عالم اسلام کو ٹوٹی ہوئی تسبیح کے دانوں کی طرح بکھیرنے کے بعد اب یہ عالم اسلام کی دولت لوٹنے، مسلم ممالک کو تباہ و برباد کرنے اور اسرائیل کو وسیع تر بنانے کی سازش پر عمل در آمد شروع کر چکے ہیں، جس کا پہلا مرحلہ انسدادِ دہشت گردی (Prevention of Terrorism) کے بہانے افغانستان اور تخریب کار ہتھیاروں کی آڑ میں عراق پر قبضہ ہے۔

عہد حاضر میں اہل صلیب مکمل طور سے عالمی سیاست پر حاوی ہیں، ان کے رویے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کے راستے میں جو بھی قوت حائل ہوگی، وہ اسے صفحۂ ہستی سے مٹا دیں گے۔ صورت حال کافی حیرت انگیز اور تکلیف دہ ہے کہ عالم اسلام بالخصوص عرب ممالک ان کے عزائم کے خلاف خاموش تماشائی بنے بیٹھے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ قوتِ مدافعت کے ساتھ ساتھ قوتِ بصیرت سے بھی محروم ہوتے

جا رہے ہیں۔ جنگِ خلیج ۱۹۹۱ء کے دوران جارج بش اوّل نے کہا تھا کہ جس کسی کو اپنی جان عزیز ہے، اس کی عافیت اسی میں ہے کہ وہ امریکہ کے خلاف ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکالے، ان کی دلی خواہش تھی کہ وہ کسی طرح صدام حسین کا خاتمہ کردیں، ان کی خواہش تو پوری نہ ہوسکی، لیکن ان کے بیٹے جارج بش دوم کو موقع ملا تو انہوں نے دنیا بھر کے احتجاج اور مخالفت کے باوجود عراق پر حملہ آور ہوکر اسے تباہ کردیا۔

حقیقت یہ ہے کہ امریکہ اور اس کے ہم نواؤں کی اصل خواہش اور مقصود اصلی اسی پر بس نہیں بلکہ یہ تو ایک منظم سازش اور سوچی سمجھی اسکیم کے ابتدائی مراحل کا ایک حصہ ہے۔ وہ عراق کی معرفت عالم عرب پھر پورے عالم اسلام پر اپنا تسلط اور حکمرانی چاہتے ہیں۔ جو لوگ اسے تیل کے حصول کی جنگ قرار دیتے ہیں، وہ کسی حد تک تو صحیح ہیں مگر مکمل طور پر صحیح نہیں۔ امریکہ کو تیل کی کوئی کمی نہیں ہے، آج بھی اس کے پاس تیل کا کافی ذخیرہ موجود ہے۔ اس کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ عرب ممالک یا چند ممالک امریکہ یا اس کے اتحادیوں کو تیل کی فراہمی بند کردیں تو اس پر کوئی اثر پڑے گا۔ تیل پیدا کرنے والے ممالک تو پہلے ہی اس کی گرفت میں آچکے ہیں۔ کوئی ایسا ملک نہیں جہاں امریکی فوجی موجود نہ ہوں۔ امریکہ اور اس کے اتحادی آج صلیب بنام اسلام (Crusade) کی نام نہاد جنگ پر عمل پیرا ہیں۔ وہ پوری دنیا اور خاص طور سے عالم اسلام پر صلیبیوں اور یہودیوں کی حکمرانی چاہتے ہیں۔ وہ اپنی ناجائز اولاد اسرائیل کی عوام کے لیے اسلام کو سب سے بڑا خطرہ سمجھتے ہیں۔ اس لیے وہ عالم اسلام پر صلیب کی بالادستی قائم کرنا اور اس خطرہ کو ہمیشہ کے لیے ختم کرکے اسرائیلی سلطنت کو وسیع تر کرنے کی راہ ہموار کرنا چاہتے ہیں۔ عراق، القاعدہ اور طالبان وغیرہ کا مسئلہ تو ابھی چند سالوں سے ہی اٹھا ہے، لیکن فلسطین کا مسئلہ تو تقریباً نصف صدی سے پوری ہیبت ناکی کے ساتھ جاری ہے۔ بے قصور، نہتے اور مظلوم فلسطینی روز بروز شہید ہورہے ہیں، اسرائیل کے مظالم کی انتہا یہ ہے کہ خود یاسر عرفات تک محفوظ نہیں۔ فلسطینی بوڑھوں، بچوں اور عورتوں پر اسرائیل کی فوج بے دریغ گولیاں برساتی ہے۔ مگر انہیں دہشت گردی سے روکنے والا کوئی نہیں، بلکہ ان کی ان دہشت گردانہ کاروائیوں کو دہشت گردی ہی تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہیں۔

مسلم حکمراں اچھی طرح جانتے ہیں کہ امریکہ صرف انسداد دہشت گردی کا بہانہ بنا کر مسلمانوں کو تباہ و برباد کررہا ہے اور آج ان کی تو کل ہماری باری آسکتی ہے۔ جیسا کہ بش نے اعلان بھی کیا ہے کہ اور دوسرے ملکوں پر بھی حملے ہوں گے۔ چند مسلم ممالک کو دھمکیاں بھی دے چکا ہے، اور یہ امر اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ امریکہ نے دہشت گردی کے نام پر جن تنظیموں پر پابندی عائد کی ہے، ان میں علاوہ چند ایک کے سبھی مسلم تنظیمیں ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلم حکمراں جس قدر جلدی مصلحت کوشی کے

خول سے باہر آ جائیں اتنا ہی اسلام کے تحفظ اور امن عالم کے لیے بہتر ہے۔

عیسائی اور یہودی ایسی قومیں ہیں جن کی کینہ پروری، فتنہ انگیزی اور اسلام دشمنی سے متعلق قرآن اور صاحب قرآن نے ہمیں چودہ سو سال پہلے ہی آگاہ فرما دیا ہے۔ اور ان کی قربت کے بُرے نتائج سے کافی پُرزور انداز میں متنبہ فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ولن ترضیٰ عنک الیھود والنصریٰ حتیٰ تتبع ملتھم۔ (بقرہ: آیت ۱۲۰)

اور ہرگز تم سے یہود اور نصاریٰ راضی نہ ہوں گے جب تک تم ان کے دین کی پیروی نہ کرو۔

ارشاد رسالت مآب ﷺ ہے:

عن ابی سعیدن الخدری عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لتتبعن سنن من قبلکم شبراً ذرعاً ذرعاً حتی لو دخلوا حجر صب تبعتموھم قلنا یا رسول اللہ! الیھود والنصاریٰ قال : فمن. (مسلم: ج۲: ۳۳۹)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرمایا رسول اللہ ﷺ نے تم لوگ اگلوں کے نقش قدم پر چل کر رہو گے ایک ایک بالشت ایک ایک ہاتھ یہاں تک کہ اگر ان میں کوئی گوہ کے بل میں گیا ہوگا تو تم بھی جاؤ گے۔ ہم نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا وہ (اگلے) یہود و نصاریٰ ہیں، فرمایا: اور کون؟

یہودیت و عیسائیت کی ماضی اور حال کی دشمنی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ دور حاضر میں یہ اسلام کے خلاف علوم جدیدہ، سائنس اور ماڈرن ٹیکنالوجی سے لیس ہیں۔ اس دور کی بے تحاشا ترقی ہی دور حاضر کے ان نمرودوں اور فرعونوں کی اصل قوت ہے۔ ایسے ماحول میں جب ہم اسلام کے دفاعی نظام کا جائزہ لیتے ہیں تو بیحد مایوسی ہوتی ہے۔ ہر مسلم ملک کا سربراہ اپنی قومی خصوصیات کو اسلام پر مقدم سمجھتا ہے اور اگر کسی سربراہِ ملک نے اپنے ملک پر اسلام کی اہمیت کا احساس کیا اور اس کے دفاعی حصار کو مضبوط بنانے کی طرف توجہ دی تو دورِ حاضر کے سیکولر نواز عالمی امن عامہ (World Common Peace) کا دشمن قرار دے کر اپنی سیاستِ فاسدہ کے ذریعہ اسے کمزور کر دیتے ہیں۔

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ آج مسلمان تعداد، رقبہ اور وسائل کے اعتبار سے دیگر تمام اقوام پر فوقیت رکھتے ہیں۔ مسلم ممالک کی مجموعی تعداد ۵۶ ہے۔ مسلمانوں کی مجموعی تعداد ۴۰ کروڑ سے زائد ہے۔ مسلم ممالک کے زیر قبضہ رقبہ نو کروڑ مربع میل سے زائد ہے۔ دنیا بھر کا ۷۰ر فیصد (Petrolium) مسلم ممالک کے پاس ہے۔ دنیا کی ۲۵ر فیصد زرعی زمین مسلمانوں کی ملکیت میں ہے۔ تانبے، لوہے، کوئلے، سونے، چاندی، زمرد ہیرے اور یورینیم کے ذخائر بھی مسلمانوں کے پاس دیگر اقوام کی بہ نسبت زیادہ ہیں۔

اگر مسلمانوں میں کمی ہے تو تعلیم، سائنسی میدان میں ترقی اور اتحاد و اتفاق کی۔ ۳۱۳ مجاہدین بدر کے وارثین آج کروروں سے زائد ہونے کے باوجود کفر سے جو مرعوب نظر آرہے ہیں اس کا سبب انہیں چیزوں کا فقدان ہے۔

لہٰذا مسلم ممالک کے قائدین کی یہ ذمہ داری ہے کہ سب سے پہلے وہ آپس میں متحد ہو جائیں۔ جدید علوم وفنون سے نونہالان اسلام کو مزین کریں اور سائنسی میدان میں ترقی کرنے کے لیے اعلیٰ قسم کی یونیورسٹیاں قائم کریں۔ اپنی عوام پر تعلیم لازم قرار دیں۔ وہ مسلمان سائنس داں جو غیر مسلموں کے لیے کام کر رہے ہیں ان کے معیار کے مطابق سہولیات فراہم کر کے اپنے یہاں لائیں اور سائنس و ٹکنالوجی کے میدان میں اپنا مقام بنائیں تبھی مخالفین کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکتے ہیں اور اسلام و مسلمانوں کے تحفظ و بقا کے لیے کوئی ٹھوس اقدام کر سکتے ہیں۔
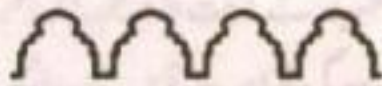
اخبار رضا

○ امام احمد رضا قدس سرہٗ کی تین کتابوں کے اردو سے عربی تراجم دار البیان للطبع والنشر والتوزیع، قاہرہ، مصر نے ایک جلد میں شائع کیے ہیں۔ "الفلسفة والاسلام"، "التحبیر بباب التدبیر" اور "القمع المبین لآمال المکذبین"۔ ان کتابوں کو اردو زبان سے عربی میں منتقل کیا ہے جناب محمد جلال رضا اور جناب غلام محمد بٹ صاحبان نے۔ ○ عن قریب دو کتابیں منظر عام پر آرہی ہیں (۱) "کاشف الاستار شریف" مصنف: اسد العارفین سید شاہ محمد حمزہ عینی مارہروی قدس سرہٗ۔ ترجمہ و تقدیم (اردو): علامہ ساحل شہسرامی (علیگ)، ضخامت: ۸۰۰ صفحات۔ (۲) "فتاویٰ ملک العلما" مصنف: ملک العلما علامہ ظفر الدین رضوی قدس سرہٗ۔ ترتیب و تقدیم: علامہ ساحل شہسرامی (علیگ)، ضخامت: ۵۰۰ صفحات۔ ○ "سرور جاوداں" معروف ادیب جناب منظور الحسن منظور کے قلم سے سفرِ حج نثر و نظم میں۔ جو سرزمین مقدس کی سیر حج و زیارت پر جانے والوں کے لیے معتبر گائڈ اور رہنما ہے۔ قیمت: -/۲۰۰ روپے۔ ملنے کا پتہ: مونس بک ڈپو، قلعہ روڈ، (خسرو نگر)، علی گڈھ۔ ۲۰۲۰۰۲۔ ○ رضا اکیڈمی، ۸۵۳، اسلام پورہ، مالیگاؤں نے مولانا محمد میاں مالیگ (برطانیا) کی تحریر "مولانا! اندھے کی لاٹھی" ضخامت ۳۱۶ صفحات، قیمت ۱۰۰ روپے شائع کی ہے۔

ترجمہ کنز الایمان کا لسانی جائزہ (قسط ۹)

از: ڈاکٹر صابر سنبھلی، سیف خاں سرائے، سنبھل، مراد آباد، یوپی

سورۂ الروم

آیت ۱و۲: علامہ محمود الحسن صاحب نے آیت نمبر ۱ (مکمل) اور آیت نمبر ۲ (جز) کا ترجمہ اس طرح ارقام فرمایا ہے:

"مغلوب ہو گئے ہیں رومی ملتے ہوئے ملک میں"

ان آیتوں کا ترجمہ شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ نے اس طرح تحریر فرمایا تھا۔ "دب گئے ہیں روم لگتے ملک میں"۔

اگرچہ جناب علامہ نے ترجمۂ قرآن کا آغاز کرتے وقت شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ کے ترجمے میں اصلاح کا دعویٰ کیا تھا مگر دو تین لفظ بدلنے کے باوجود ترجمے میں کوئی سدھار نہیں ہوا۔ جو کچھ شاہ صاحب نے لکھا تھا جناب علامہ اس سے آگے نہ جا سکے۔ "لگتے ملک میں" کو "ملتے ملک میں" سے بدل دینے پر بھی قاری کے لیے تفہیم میں کوئی آسانی نہیں ہوئی (جبکہ اس میں سدھار کی ضرورت تھی)۔ امام احمد رضا نے فی الفور اس طرح ترجمہ املا کرایا۔

"رومی مغلوب ہوئے پاس کی زمین میں"

آیت ۷: جناب علامہ نے آیت کے ایک جز کا ترجمہ اس طرح تحریر فرمایا:

"جانتے ہیں اوپر اوپر دنیا کے جینے کو"

شاہ صاحب کا ترجمہ یہ ہے:

"جانتے ہیں اوپر اوپر دنیا کا جینا"

اہل الرائے بتائیں کہ جناب علامہ نے ترجمے کی مرمت کر کے کیا نتیجہ نکالا؟ کیا قاری کو کوئی سہولت بہم پہنچائی؟ لگے ہاتھوں امام احمد رضا کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمالیجیے۔

"جانتے ہیں آنکھوں کے سامنے کی دنیوی زندگی"

آیت ۸: جناب علامہ نے آیت کے ایک حصے کا ترجمہ اس طرح نقل فرمایا:

"اللہ نے جو بنائے آسمان و زمین اور جو اُس کے بیچ ہے سو ٹھیک سادھ کر اور وعدۂ مقرر پر"

اب شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمالیجیے۔ رقم طراز ہیں۔

"اللہ نے بنائے آسمان و زمین اور جو اُس کے بیچ ہے سو ٹھیک سادھ کر اور ٹھہرے وعدے پر"

فقیر نے "نقل فرمایا" اس لیے لکھا ہے کہ آج کل امتحان میں شریر اور نکھٹو لڑکے مطبوعہ گائڈ بکس سے نقل کرتے ہیں تو بالکل اسی طرح کہیں کہیں الفاظ بدل دیتے ہیں تا کہ اُن کی دانست میں ممتحن دھوکا کھا جائے۔ ممتحن تو دھوکا نہیں کھاتا ہے البتہ جناب علامہ اردو خواں قارئین کو دھوکا دینے میں ضرور کامیاب ہوگئے۔ اب یہ قارئین کی مرضی ہے کہ وہ اس کامیابی پر جناب علامہ کو مبارک باد دیں یا نہ دیں۔ ہندوستان کے ایک نام نہاد دانش ور نے تو پس مرگ بھی اُن کی پیٹھ ٹھونکنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ جب کہ جو ابہام شاہ صاحب کے ترجمے میں وقت گزرنے کی وجہ سے آیا تھا وہ جوں کا توں باقی رہا۔

اب ملاحظہ فرمائیے کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اس حصۂ آیت کا کیا ترجمہ املا فرمایا۔

"اللہ نے پیدا نہ کیے آسمان اور زمین اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے مگر حق اور ایک مقرر میعاد سے"

آیت ۱۴: علامہ محمود الحسن صاحب نے آیت کا ترجمہ اس طرح درج فرمایا:

"اور جس دن قائم ہوگی قیامت اُس دن لوگ ہوں گے قسم قسم"

جبکہ شاہ صاحب نے اس طرح ترجمہ رقم فرمایا تھا۔

"اور جس دن اُٹھے گی قیامت لوگ بھانت بھانت ہوں گے"۔

دونوں ترجموں کو پڑھنے کے بعد یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ جناب علامہ نے بھی ترجمہ فرمایا ہے مگر قرآن کریم کا نہیں بلکہ شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے کا۔ یہ الگ بات ہے کہ ترجمہ کیسا ہے۔ امام احمد رضا نے فوری طور پر اس طرح ترجمہ رقم کرایا۔

"اور جس دن قیامت ہوگی اُس دن الگ ہو جائیں گے"۔

بالکل صاف اور رواں ترجمہ ہے۔

آیت ۳۷: اس آیت کے ایک جز کا علامہ سے منسوب ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

"اللہ پھیلا دیتا ہے روزی کو جس پر چاہے اور ماپ کر دیتا ہے جس کو چاہے"۔

حضرت شاہ صاحب کا ترجمہ یوں ہے۔

"اللہ پھیلاتا ہے روزی جس پر چاہے اور ناپ کر دیتا ہے"۔

خدارا انصاف کیجیے کہ لفظ "ناپ" میں کیا خرابی تھی جو اردو کے ایک فصیح لفظ کو بدل کر جناب علامہ یادووں کا ایک ہندی لفظ "ماپ" لے آئے جو اہل اردو اور مسلمانوں میں نہ اب رائج ہے اور نہ کبھی انہوں نے اس کو قبول کیا۔

(یادووں کی زبان سے علامہ کی اُنسیت کا حال سورۂ یٰس شریف کے ترجمے کے جائزے میں کھل

کر سامنے آئے گا) اصلاح کے نام پر تخریب اور اُس پر ترجمہ نگاری کا دعویٰ۔ الامان والحفیظ۔

امام احمد رضا نے قوم کو یہ ترجمہ عنایت فرمایا۔

''اللہ رزق وسیع فرماتا ہے جس کے لیے چاہے اور تنگی فرماتا ہے جس کے لیے چاہے''

حیرت تو یہ ہے کہ اس ترجمے کے چھے سال بعد بھی جناب علامہ نے ''وسیع فرمانے کے بجائے'' ''پھیلاتا روزی'' ہی رقم فرمایا۔ فقیر کو حیرت ہے کہ علامہ کو ترجمہ نگاری کا شوق کیوں چرایا تھا اور اس سے زیادہ حیرت اس ہندی دانشور (نام نہاد) پر ہے جو اس کو اردو کا سب سے اچھا ترجمہ قرار دیتا تھا۔

آیت ۳۸۔ علامہ محمود الحسن اس آیت کے ایک جز کا ترجمہ اس طرح رقم فرماتے ہیں۔

''یہ بہتر ہے اُن کے لیے جو چاہتے ہیں اللہ کا منھ''

''جو اللہ کا منھ چاہتے ہیں'' خدا جانے اس فقرے کا کیا مطلب ہے ایسے ترجمے کی بظاہر وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے میں بھی یہی الفاظ تھے۔ شاہ صاحب کا ترجمہ یہ ہے۔

''یہ بہتر ہے اُن کو جو چاہتے ہیں اللہ کا منھ''

شاید درج بالا آخری الفاظ کا مفہوم حضرت علامہ بھی نہیں سمجھتے تھے۔ کیونکہ شاہ صاحب کے ترجمے کے جتنے حصے کا ترجمہ علامہ صاحب کر سکتے تھے انہوں نے کر دیا مثلاً ''ان کو'' کا ترجمہ انہوں نے ''اُن کے لیے'' درج فرمایا۔ باقی سر سے گزر گیا ہوگا۔ کیونکہ یہ بہت پرانا ترجمہ ہے۔ ہوسکتا ہے شاہ صاحب کے عہد میں رائج رہا ہو؟ لیکن علامہ صاحب کے عہد میں قطعی متروک تھا (اس لیے کہ علامہ کے ہم عصروں میں کسی نے اس طرح کے الفاظ نہیں لکھے) حیرت اس بات پر ہے کہ متروکات کی جگہ رائج الفاظ لکھنے کے دعوے کے ساتھ ہی وہ مترجم بنے تھے مگر انہوں نے ان الفاظ کو رائج الفاظ سے نہیں بدلا۔ اس لیے فقیر کا یہ خیال درست مانا جانا چاہیے کہ ان الفاظ کا مطلب وہ بھی نہیں سمجھتے تھے ورنہ ان کی جگہ مروجہ الفاظ ضرور تحریر فرماتے۔ اور اس شبہے کو بھی تقویت ملتی ہے کہ وہ عربی متن کا ترجمہ کرنے پر بھی قادر نہیں تھے۔ اگر ہوتے تو شاہ عبدالقادر صاحب کے الفاظ سمجھ میں نہ آنے کی صورت میں عربی متن کا ترجمہ اپنے الفاظ میں کر دیتے؟ مگر انہوں نے ایسا بھی نہیں کیا۔

امام احمد رضا نے آیت کے اس حصے کا ترجمہ اس طرح قلم بند کرایا۔

''یہ بہتر ہے اُن کے لیے جو اللہ کی رضا چاہتے ہیں''

آیت ۴۴: حضرت علامہ نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح اپنے مصحف میں درج فرمایا۔

''جو منکر ہوا اُس پر پڑے اُس کا منکر ہونا اور جو کوئی کرے بھلے کام سو وہ اپنی راہ سنوارتے ہیں''

شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ بھی تقریباً یہی ہے۔ انہوں نے رقم فرمایا۔

''جو منکر ہوا اُس پر پڑے اُس کا منکر ہونا اور جو کرے بھلے کام سو اپنی راہ سنوارتے ہیں''

جناب علامہ نے نقل میں دو لفظ بڑھا کر اس قول ''نقل کے لیے عقل کی ضرورت ہے'' کے مطابق عقل کا ثبوت تو دیا؛ مگر ''جو کوئی کرے بھلے کام'' (فعل واحد) کا جوڑ ''ہیں'' (فعل جمع) کے ساتھ لگا دیا۔ یہاں تک موصوف کی عقل کی رسائی شاید نہیں ہو سکی۔ (معلوم ہوتا ہے رسائی ہی کم تھی) امام احمد رضا فاضل بریلوی نے حضرت صدر الشریعہ کو یوں ترجمہ املا کرایا۔

''جو کفر کرے اُس کے کفر کا وبال اُس پر اور جو اچھا کام کریں اپنے ہی لیے تیاری کر رہے ہیں''

زبان کی صفائی ملاحظہ فرمایئے۔ محسوس ہوتا ہے کہ کسی عبارت کا ترجمہ نہیں، بلکہ طبعزاد عبارت ہے۔

آیت ۵۴: علامہ صاحب نے ترجمہ رقم فرمایا۔

''اور وہ ہے سب کچھ جانتا کر سکتا''

شاہ صاحب کا بھی تقریباً یہی ہے۔ یعنی۔

''اور وہ ہے سب جانتا کر سکتا''

علامہ نے ایک لفظ ''کچھ'' بڑھا کر ترجمے پر قبضہ جما لیا۔ اس کے علاوہ اور کوئی تبدیلی نہیں کی۔

امام احمد رضا کا برجستہ لکھایا ہوا ترجمہ یہ ہے۔

''اور وہی علم و قدرت والا ہے''

آیت ۵۶: علامہ محمود الحسن صاحب نے پوری آیت کا ترجمہ اس طرح نقل فرمایا۔

''اور کہیں گے جن کو ملی ہے سمجھ اور یقین تمہارا ٹھہرنا تھا اللہ کی کتاب میں جی اُٹھنے کے دن تک سو یہ ہے جی اُٹھنے کا دن پر تم نہیں جانتے۔''

(کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی)

مگر جناب علامہ بھی کیا کرتے۔ شاہ عبدالقادر صاحب نے بھی تقریباً یہی ترجمہ کیا تھا اور وہ ان سے آگے جا نہیں سکتے تھے۔ شاہ صاحب کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمائیے۔

''اور کہیں گے جن کو ملی سمجھ اور یقین تمہارا ٹھہراؤ تھا اللہ کے لکھے میں جی اُٹھنے کے دن تک سو یہ ہے جی اُٹھنے کا دن پر تم نہ تھے جانتے۔''

جناب علامہ نے نقل میں عقل سے کام لیتے ہوئے کئی لفظ بدلے ہیں۔ حتیٰ کہ آخری فقرے میں مستعمل لفظ ''نہ'' کو بھی ''نہیں'' سے بدل دیا، مگر فقرہ وہی رہا۔ ''پر تم نہیں تھے جانتے'' حضرت علامہ کے عہد میں دنیا کے کسی حصے میں اردو نثر کی ترکیب نحوی یہ نہیں رہی تھی۔ امام احمد رضا نے فوری طور پر مولانا امجد علی بستوی کو یہ ترجمہ املا کرایا۔

''اور بولے وہ جن کو علم اور ایمان ملا بے شک تم رہے اللہ کے لکھے ہوئے میں اُٹھنے کے دن تک تو یہ ہے وہ دن اُٹھنے کا لیکن تم نہ جانتے تھے۔''

اس ترجمے کو پڑھ کر سمجھ میں آتا ہے کہ قرآن کیا کہہ رہا ہے، ورنہ جناب علامہ کا ترجمہ تو سر سے گزر جاتا ہے۔

سورۂ لقمان

آیت ۴: علامہ محمود الحسن صاحب ترجمے میں اس طرح خامہ فرسائی فرماتے ہیں۔

''جو کہ قائم رکھتے ہیں نماز اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور وہ ہیں جو آخرت پر اُن کو یقین ہے۔''

خط کشیدہ ''جو'' پر غور فرمائیے۔ اس نے ترجمے کو بگاڑ کر رکھ دیا۔ پھر ''ان کو'' نے عبارت کی بالکل ہی مٹی پلید کردی۔ اگر فقرہ یوں ہوتا ''اور وہ ہیں جن کو آخرت پر یقین ہے'' یا یوں ہوتا ''اور وہ ہیں جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں'' تو کوئی بات قابلِ اعتراض نہ ہوتی۔ شاہ صاحب کا ترجمہ اس سے بہر حال بہتر تھا۔ ملاحظہ فرمائیں۔

''جو کھڑی رکھتے ہیں نماز اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور وہ ہیں جو آخرت کو وہ یقین کرتے ہیں''۔

اس ترجمے میں صرف خط کشیدہ ''وہ'' زائد ہے۔ یہ نہ ہوتا تو ترجمہ صاف ہوتا، لیکن شاہ صاحب کے عہد میں اردو نثر کے قواعد وضوابط منضبط نہیں ہوئے تھے۔ اس لیے ان کو معذور سمجھنا چاہیے۔ جناب علامہ نے نقل میں عقل کا استعمال کیا اور کچھ الفاظ بدلے تو ترجمے کا بیڑا ہی غرق کر دیا۔

امام احمد رضا نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح بول کر لکھایا تھا۔

''جو نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیں اور آخرت پر ایمان لائیں''

ع یوں مدّعی حسد سے نہ دے داد تو نہ دے (آتش)

لیکن ایسی صفائی کسی دوسرے ترجمے میں نہیں ملے گی۔

آیت ۸: علامہ صاحب کی گل افشانی تحریر ملاحظہ فرمائیے۔

''جو لوگ یقین لائے اور کیے بھلے کام اُس کے واسطے ہے نعمت کے باغ''

تعجب ہے کہ حضرت علامہ واحد اور جمع کے صحیح استعمال سے بھی واقف نہیں تھے۔ ''جو لوگ یقین لائے'' پر غور فرمائیے۔ فعل ''لائے'' بتا رہا ہے کہ یہاں پر ''لوگ'' بطور جمع آیا ہے ورنہ ''یقین لایا'' ہوتا' پھر اس جمع کے لیے ضمیر ''اُس'' کا استعمال جناب علامہ کی قواعدِ زبان سے ناواقفیت کا بیّن ثبوت ہے۔ ''اُس کے واسطے ہے'' میں امدادی فعل ''ہے'' واحد کا ترجمان ہے مگر ''نعمت کے باغ'' صاف طور پر جمع ہے۔ اگر واحد ہوتا تو ''نعمت کا باغ'' ہوتا۔ جمع کے لیے ''ہے'' (واحد) کا استعمال نہ صرف حیرت ناک بلکہ عبرت

ناک بھی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس ترجمے کو اردو کا سب سے اچھا ترجمہ بتانے والے نام نہاد ہندی دانش ور جناب ابوالحسن علی میاں ندوی بھی اس معمولی فرق سے واقف نہیں تھے، جس کو درجہ ۵ رکا بچہ بھی جانتا ہے۔

مزید تماشا یہ ہے کہ شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے ترجمے میں جو اردو زبان کے تشکیلی دور میں کیا گیا تھا یہ خرابیاں نہیں ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

''جو لوگ یقین لائے اور کیے بھلے کام اُن کو ہیں نعمت کے باغ''

بالکل صاف ترجمہ ہے۔ اس کی زبان موجودہ عہد کی زبان جیسی معلوم ہوتی ہے۔ اس میں کوئی لفظ متروک بھی نہیں ہے۔ پھر بھلا علاّمہ کو ردّ و بدل کرنے کی کیوں سوجھی، یہ اہم سوال ہے۔ سوچنے اور غور کرنے پر یہی وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ ترجمے پر قبضہ جمانے کے لیے نقل میں عقل سے بھی کام لینا تھا۔ بس جیسی عقل نے یاوری کی ویسا ہی ترجمہ تیار ہوگیا۔ اُردو زبان کی لٹیا ڈوبتی ہے تو ڈوبے۔ انہیں اس سے کیا۔

امام احمد رضا نے اس کا ترجمہ فی الفور اس طرح املا کرایا۔

''بے شک جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے ان کے لیے چین کے باغ ہیں''

آیت ۲۰: علاّمہ محمود الحسن صاحب نے آیت کے ایک جز کا ترجمہ اس طرح نقل فرمایا۔

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کام میں لگائے تمہارے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں''

''کام میں لگائے'' میں فعل ''لگائے'' جمع ہے۔ اگر واحد ہوتا تو ''لگایا'' ہوتا۔ پھر اس کا جوڑ امدادی فعل واحد (ہے) سے لگا دیا۔ کیا جناب علاّمہ کو واحد اور جمع کی بھی تمیز نہیں تھی۔ اگر یہ کمی شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے میں بھی تھی تو علاّمہ صاحب کس لیے ترجمہ کرنے کو بیٹھے تھے، جو اس کو ایسے ہی رہنے دیا جیسا تھا۔ شاہ صاحب کا عہد تو اُردو نثر کا تشکیلی دور تھا جب کہ جناب علاّمہ کے عہد میں زبان کا ڈھانچہ مکمل ہو چکا تھا۔ اگر جناب علاّمہ میں شاہ صاحب کی زبان کی خامیوں اور اس کے ابہام کو دور کرنے کی اہلیت نہیں تھی تو اس کام کو ہاتھ ہی نہیں لگانا چاہیے تھا۔ شاہ عبدالقادر صاحب نے حسب ذیل ترجمہ رقم فرمایا تھا۔

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کام لگائے تمہارے جو کچھ آسمان و زمین میں''

جناب علاّمہ نے ایک لفظ بڑھایا اور ایک لفظ بدلا۔ لیجیے بن گئے مترجم۔ سبحان اللہ۔

امام احمد رضا نے اس طرح فی البدیہہ ترجمہ تحریر کرایا۔

''کیا تم نے نہ دیکھا کہ اللہ نے تمہارے کام میں لگائے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہیں''۔

آیت ۳۰: جناب علاّمہ کی گل افشانی تحریر ملاحظہ فرمائیے۔ آیت کا ترجمہ بین السطور میں یوں لکھا ہے۔

''یہ اس لیے کہا کہ اللہ وہی ہے ٹھیک اور جس کسی کو پکارتے ہیں اُس کے سوائے سو وہی جھوٹ ہے اللہ وہی ہے سب سے اوپر بڑا''

شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ جس کا ترجمہ جناب علامہ نے کیا ہے یہ ہے۔

''یہ اس پر ہے کہ اللہ وہی ٹھیک ہے اور جو پکارتے ہیں اُس کے سوا سو ہی جھوٹ ہے اور اللہ وہی ہے سب سے اوپر بڑا''

امام احمد رضا کا ترجمہ یہ ہے۔

''یہ اس لیے کہ اللہ ہی حق ہے اور اُس کے سوا جن کو پوجتے ہیں سب باطل ہیں اور اس لیے کہ اللہ ہی بلند بڑائی والا ہے۔''

تبصرے کی ضرورت نہیں ترجمہ خود بول رہا ہے۔

آیت ۳۳: جناب علامہ محمود الحسن صاحب آیت کے ایک حصے کے ترجمے میں نقل طراز ہیں۔

''اے لوگو بچتے رہو اپنے رب سے''

رب سے بچنے کی بھی خوب رہی۔ ایمان والے تو اللہ کو پانے کے لیے اُس کی معرفت اُس کے دیدار کے لیے جان کی بازی لگائے ہوئے ہیں اور جناب علامہ اللہ تعالیٰ سے بچنے (یعنی دوُر رہنے) کی تلقین فرمارہے ہیں۔ کون ہے جو اس فلسفے کو سمجھ سکتا ہے۔ بظاہر وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ شاہ عبدالقادر صاحب نے بھی یہی لکھا تھا اور اُن کے عہد میں ''بچنے'' کا مفہوم کچھ اور بھی ہوگا۔ جناب علامہ نے شاہ صاحب کے ترجمے کے شروع میں صرف ایک لفظ کا اضافہ کردیا ہے۔ شاہ صاحب کا ترجمہ یہ ہے۔

''لوگو بچتے رہو اپنے رب سے۔''

امام احمد رضا فاضل بریلوی نے یوں ترجمہ املا کرایا۔

''اے لوگو اپنے رب سے ڈرو''

ملاحظہ فرمائیں کتنا حقیقی اور ایمانی ترجمہ عطا فرمایا ہے۔

سورۃ السجدہ

آیت ۵: علامہ محمود الحسن صاحب نے بین السطور میں یہ ترجمہ درج فرمایا۔

''تدبیر سے اُتارتا ہے کام آسمان سے زمین تک پھر چڑھتا ہے وہ کام اُس کی طرف ایک دن میں جس کا پیمانہ ہزار برس کا ہے تمہاری گنتی میں''

اردو زبان وادب کا کوئی عالم سمجھ گیا ہو تو بتائے کہ جناب علامہ نے کیا فرمادیا۔ اس حقیر فقیر کے پلے تو کچھ پڑا نہیں۔ اور پلے بھی کیوں کر پڑے۔ شاید علامہ صاحب بھی نہیں سمجھے تھے کہ انہوں نے کیا لکھ دیا۔ انہیں تو شاہ صاحب کے ترجمے کا ترجمہ کرنا تھا اور وہ اس طرح کہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ ایک دو لفظ بڑھادیے جائیں یا ایک دو لفظ میں تبدیلی کردی جائے۔ اب شاہ صاحب کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمالیا جائے۔

''تدبیر سے اُتارتا ہے کام آسمان سے زمین تک پھر چڑھتا ہے اُس کی طرف ایک دن میں جس کا اندازہ ہزار برس ہیں تمہاری گنتی میں''

امام احمد رضا نے اس آیت شریفہ کا ترجمہ اس طرح املا کرایا تھا۔

''کام کی تدبیر فرماتا ہے آسمان سے زمین تک پھر اُسی کی طرف رجوع کرے گا اُس دن کہ جس کی مقدار ہزار برس ہے تمہاری گنتی میں۔''

آیت ۱۵: جناب علّامہ مصحف شریف کی بین السطور میں اس آیت شریفہ کا ترجمہ ان الفاظ میں ارقام فرماتے ہیں۔

''ہماری باتوں کو وہی مانتے ہیں کہ جب اُن کو سمجھائے اُن سے گر پڑیں سجدہ کرکر اور پاک ذات کو یاد کریں اپنے رب کی خوبیوں کے ساتھ اور بڑائی نہیں کرتے''

لگے ہاتھوں شاہ عبدالقادر صاحب علیہ الرحمہ کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمالیجیے تاکہ معلوم ہو جائے کہ جناب علّامہ نے ترجمہ نگاری میں کتنی محنت اور جانکاہی سے کام لیا ہے۔ شاہ صاحب کا ترجمہ یوں ہے۔

''ہماری باتوں کو مانتے وہ ہیں کہ جب اُن کو سمجھایئے ان سے گر پڑیں سجدہ کر کے اور پاک ذات کو یاد کریں اپنے رب کی خوبیوں سے اور وہ بڑائی نہیں کرتے''

''اُن سے'' کا ٹکڑا دونوں ترجموں کی روانی میں نہ صرف حائل ہے بلکہ مہمل معلوم ہوتا ہے۔ شاہ صاحب کی مجبوری تو ہمیں معلوم ہے؛ مگر علّامہ صاحب کے سامنے کیا مجبوری تھی یہ یقین کے ساتھ معلوم نہیں۔ گمان غالب یہی ہے کہ اُن کے سامنے نقل مارنے کی مجبوری تھی۔ یہی حال ''بڑائی نہیں کرتے'' کا ہے۔ رب کو سجدہ کریں اس کو خوبیوں کے ساتھ یاد کریں؛ مگر اُس کی بڑائی نہ کریں، یہ منطق سمجھ میں آنے والی نہیں ہے۔ پھر نقل میں عقل کا استعمال کرتے ہوئے جناب علّامہ نے ''کرکے'' کو ''کرکر'' سے بدل دیا کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ ''کرکے'' اردو زبان میں کب متروک ہوا؟ یہ حال بقول شخصے اردو کے سب سے اچھے ترجمے کا ہے۔

علاوہ ازیں جناب علّامہ کے ترجمے کو ایک بار اور پڑھ کر دیکھیے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ''پاک ذات'' کوئی اور ہے اور ''رب'' کوئی اور۔ اب امام احمد رضا فاضل بریلوی کا آیت سن کر فی الفور لکھایا ہوا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے۔

''ہماری آیتوں پر وہی ایمان لاتے ہیں کہ جب وہ انہیں یاد دلائی جاتی ہیں سجدہ میں گر جاتے ہیں اور اپنے رب کی تعریف کرتے ہوئے اس کی پاکی بولتے ہیں اور تکبر نہیں کرتے۔''

آیت ۱۹: علّامہ صاحب اس آیت کے ترجمے میں تحریر فرماتے ہیں۔

''سو وہ لوگ جو یقین لائے اور کیے کام بھلے تو اُن کے لیے باغ ہیں رہنے کے مہمانی اُن کاموں کی وجہ سے جو کرتے تھے''

قطع نظر اس کے کہ اس ترجمے کا سمجھنا ہر شخص کے لیے ممکن نہیں ہے۔ پہلے یہ دیکھ لیجیے کہ جناب علامہ نے ترجمہ کرنے میں کتنی محنت سے کام لیا ہے اور اس کے لیے شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے سے موازنہ کرنا ہوگا جو نقل کے واسطے ان کے سامنے ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ نقل میں عقل کی کارسازی بھی موازنے میں صاف نظر آئے گی۔ شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے ترجمے کے الفاظ یہ ہیں۔

''سو وہ جو یقین لائے اور کیے کام بھلے تو اُن کو باغ ہیں رہنے کے مہمانی اُس پر جو کرتے تھے''

اس کے بعد امام احمد رضا کا بول کر لکھایا ہوا ترجمہ پڑھیے اور داد دیجیے پوری بات سمجھ میں آجاتی ہے۔

''جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے اُن کے لیے رہنے کے باغ ہیں ان کے کاموں کے صلے میں مہمانداری''

آیت ۲۳: جناب علامہ آیت کے ایک حصے کے ذیل میں ترجمہ تحریر فرماتے ہیں۔

''اور ہم نے دی ہے موسیٰ کو کتاب سو تو مت رہ دھوکے میں اُس کے ملنے سے''۔

اس ترجمے کی نقل میں حضرت علامہ نے عقل سے کام نہیں لیا ہے کیونکہ شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ بھی بلفظہٖ یہی ہے۔ اس لیے اُس کو نقل کرنا بھی بے سود ہے۔ امام احمد رضا نے یہ ترجمہ املا کرایا تھا۔

''اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی تو تم اُس کے ملنے میں شک نہ کرو''

سورۃ الاحزاب

آیت ۲: علامہ محمود الحسن صاحب نے اس آیت کا یہ ترجمہ اپنے مصحف میں درج فرمایا۔

''اور چل اُس پر جو حکم آوے تجھ کو تیرے رب کی طرف سے بے شک اللہ تمہارے کام کی خبر رکھتا ہے۔''

اس ترجمے میں قارئین کو جناب علامہ نے اپنے پاس سے کیا دیا ہے اس کا پتہ شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ کے ترجمے سے موازنے کے بعد ہی ہوسکتا ہے۔ اس لیے پہلے شاہ صاحب کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔

''اور چل اُس پر جو حکم آوے تجھ کو تیرے رب سے مقرر اللہ تمہارے کام کی خبر رکھتا ہے۔''

نبی کے لیے دو ۲ ضمیریں واحد حاضر کی (''تجھ کو'' اور ''تیرے'') اور پھر اُس سیاق میں ایک ضمیر جمع حاضر کی (تمہارے) کیا یہ کسی زبان داں کا کام ہوسکتا ہے۔ زبان داں نہیں بلکہ کسی ہوشمند کا کام بھی نہیں ہوسکتا۔ رہا یہ سوال کہ شاہ عبدالقادر صاحب نے ایسا کیوں کیا تو اُس کا جواب بارہا دیا جاچکا ہے۔ شاہ صاحب کے عہد میں قواعد زبان کا تعین نہیں ہوا تھا مگر جناب علامہ کے عہد میں تو قواعد زبان پر بہت کام ہوچکا تھا۔ دور کیوں جایئے اُن سے ۱۶ برس پہلے امام احمد رضا قوم کو ایک عمدہ ترجمہ عنایت فرماچکے تھے۔

اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جناب علامہ اردو قواعد سے بھی نابلد تھے۔ سچائی یہ بھی ہے کہ اہل زبان کو ایسی باتیں کتابوں میں پڑھنے کی حاجت نہیں ہوتی۔ تو اگر کوئی یہ شک کرے کہ جناب علامہ اہل زبان بھی نہیں تھے تو جواب دینا مشکل ہوگا۔ یہ بھی نہیں ہے کہ انہوں نے شاہ صاحب کا ترجمہ جوں کا توں نقل کر دیا ہو۔ عقل سے کام لے کر پھیر بدل بھی کیا ہے۔ پھر تھوڑی عقل اور لگا دیتے تو کیا بات تھی۔ انہوں نے تو بہت اطمینان کے ساتھ بہت دنوں میں ترجمہ تیار کیا تھا۔

امام احمد رضا نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح لکھایا۔

''اور اُس کی پیروی رکھنا جو تمہارے رب کی طرف سے تمہیں وحی ہوتی ہے اے لوگو اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔''

اگر علامہ محمود الحسن یہ ظاہر کر دیتے کہ دوسرے فقرے میں عام لوگوں سے خطاب ہے تو ترجمے کی مٹی پلید نہ ہوتی۔ مگر شاید یہ بات اُن کو معلوم ہی نہیں تھی۔

آیت ۹: جناب علامہ محمود الحسن صاحب اس آیت کے ایک حصے کے ذیل میں یہ ترجمہ رقم طراز ہیں۔

''اور ہے اللہ جو کچھ کرتے ہو دیکھنے والا''

کون کہہ سکتا ہے کہ جملے میں الفاظ کی ترتیب جناب علامہ کے عہد کی ہے۔ یہ تو صاف شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ کے عہد کی معلوم ہوتی ہے۔ دلیل خود شاہ صاحب کا ترجمہ ہے جو یوں ہے۔

''اور ہے اللہ جو کچھ کرتے ہو دیکھتا''

جناب علامہ نے ''دیکھتا'' کو ''دیکھنے والا'' سے بدل کر پرایا مال اپنا کر لیا۔ کیا ''دیکھتا'' اُن کے عہد میں یا اب (یا شاہ صاحب کے عہد سے اب تک کسی زمانے میں) متروک ہوا ہے؟ جواب ہے، نہیں۔ تو جب ایک لفظ متروک نہیں ہوا تو اُس کو بدلنے کی کیا ضرورت تھی۔ ایسا مشکل لفظ بھی نہیں تھا کہ کسی کو سمجھنے میں دشواری ہوتی۔ وجہ ایک ہی سمجھ میں آتی ہے کہ یہ کام پرایا مال اپنانے کے لیے کیا گیا ہے۔ یہاں ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ کیا متروکات کا دائرہ الفاظ ہی تک محدود ہے۔ کیا انداز بیاں متروک نہیں ہوتا، کہ علامہ نے عبارت کو جوں کا توں نقل کر دیا۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اس آیت کا ترجمہ مندرجہ ذیل الفاظ میں فی الفور قلم بند کرایا۔

''اور اللہ تمہارے کام دیکھتا ہے''

آیت ۱۰: جناب علامہ نے اس آیت کا ترجمہ یوں نقل فرمایا۔

''جب چڑھ آئے تم پر اوپر کی طرف سے اور نیچے سے اور جب بدلنے لگیں آنکھیں اور پہنچے دل گلوں تک اور اٹکلنے (ا ٹ ک ل ن ے) لگے تم اللہ پر طرح طرح کی اٹکلیں''۔

چونکہ فقیر نے چند سطر پیشتر ''نقل فرمایا'' لکھا ہے۔ اس لیے ہاتھوں ہاتھ شاہ صاحب کا ترجمہ لکھنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے تا کہ ''نقل فرمایا'' کی تصدیق ہو سکے۔ اگرچہ اس آیت کے ترجمے کو نقل کرنے میں جناب علامہ نے ''عقل'' سے بھی کام لیا ہے؛ مگر دونوں ترجموں کا موازنہ صاف بتا رہا ہے کہ نقل تو یقیناً ہے مگر نقل پھر نقل ہے اور اصل پھر اصل۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب علیہ الرحمہ نے یوں ترجمہ ارشاد فرمایا تھا۔

''جب آئے تم پر اوپر کی طرف سے اور نیچے سے اور جب ڈگنے لگیں آنکھیں اور پہنچے دل گلوں تک اور اٹکل کرنے لگے تم اللہ پر کئی کئی اٹکلیں''۔

دونوں ترجموں کے پڑھنے سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کیا چڑھ آئے یا کون چڑھ آئے؟ نیچے سے چڑھنا تو سمجھ میں آتا ہے؛ لیکن اوپر چڑھنے کے کیا معنیٰ ہیں یہ بات بھی سمجھ میں نہیں آتی۔ شاہ صاحب کے سامنے تو زبان کی مجبوری تھی مگر جناب علامہ بالکل ہی لکیر کے فقیر معلوم ہوتے ہیں۔ وہ اپنے پاس سے کسی قاری کو کچھ دے سکنے کی پوزیشن میں نہیں معلوم ہوتے۔ بس مترجم قرآن کہلانے کا شوق تھا اور اس میں کامیاب بھی ہو گئے۔ لوگ ان کو مترجم قرآن ہی سمجھتے ہیں۔

امام احمد رضا نے اس آیت کریمہ کا یہ ترجمہ عنایت فرمایا۔

''جب کافر تم پر آئے تمہارے اوپر سے اور تمہارے نیچے سے اور جب کہ ٹھٹھک کر رہ گئیں نگاہیں اور دل گلوں کے پاس آ گئے اور تم اللہ پر طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔''

آیت ۱۱: حضرت علامہ کے نام سے موسوم اس آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

''وہاں جانچے گئے ایمان والے اور جھڑ جھڑائے گئے زور کا جھڑ جھڑانا''

یہ بالکل شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے کی نقل ہے۔ جناب علامہ نے صرف ایک لفظ (خط کشیدہ ''کا'') کا اضافہ کیا ہے یعنی شاہ صاحب نے فرمایا تھا ''زور جھڑ جھڑانا'' اور جناب علامہ نے فرمایا ''زور کا جھڑ جھڑانا'' لیجیے حق ترجمہ ادا ہو گا۔ (اگر کوئی شخص عربی زبان نہ بھی جانتا ہو اتنی ترمیم تو وہ بھی کر سکتا ہے)

اس ترجمے کی زبان بلاشبہہ شاہ عبدالقادر صاحب کے عہد کی ہے۔ جناب علامہ کے عہد سے اس کا کوئی تعلق نہیں کیونکہ ان کے عہد میں سنجیدہ اور علمی نثر میں ایسی زبان کوئی نہیں لکھتا تھا ''جھڑ جھڑائے گئے زور کا جھڑ جھڑانا'' سے آخر کیا مراد ہے؟ اور یہ ترجمہ کن لوگوں کے لیے تیار کیا گیا تھا؟ اگر کوئی اس ترجمے کے معنی بتا بھی دے تو اس سے کوئی فائدہ نہیں۔ عام قاری اس کو نہیں سمجھ سکتا۔ امام احمد رضا نے فی الفور یہ ترجمہ املا کرایا۔

''وہ جگہ تھی کہ مسلمانوں کی جانچ ہوئی اور خوب سختی سے جھنجوڑے گئے''

آیت ۱۹: اس آیت شریفہ کے ایک جز کے تحت جناب علامہ کے مصحف میں ترجمہ اس طرح درج ہے۔

''پھر جب جاتا رہے ڈر اس وقت چڑھ چڑھ بولیں تم پر تیز تیز زبانوں سے ڈھلکے پڑتے ہیں مال پر''

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب نے اس حصہ آیت کا یہ ترجمہ فرمایا تھا۔

''پھر جب جاتا رہے ڈر کا وقت چڑھ چڑھ بولیں تم پر تیز تیز زبانوں سے جھکے پڑتے ہیں مال پر''

جناب علامہ نے شاہ صاحب کے ترجمے میں ایک لفظ ''جھکے'' کو ''ڈھکے'' سے بدلا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اس لفظ کو متروک سمجھتے تھے اور ''ڈھکے'' کو رائج۔ جناب علامہ کے اس عمل پر فقیر رد عمل کا اظہار کرنا نہیں چاہتا۔ خاموشی ہی بہتر معلوم ہوتی ہے۔ خدا نہ کرے کہ اب اس درجے کا دوسرا عالم پیدا ہو جو لفظ ''جھکے'' کو متروک سمجھے اور ڈھکے کو فصیح۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر رحم فرمائے۔ مزید یہ کہ اس کے باوجود بھی ایک عام قاری یہ نہیں سمجھ سکتا کہ اس ترجمے کا مطلب کیا ہے۔ افسوس صد افسوس۔

امام احمد رضا نے حضرت صدرالشریعہ مولانا امجد علی رضوی کو اُن سے آیت سنتے ہی یہ ترجمہ لکھایا۔

''پھر جب ڈر کا وقت نکل جائے تمہیں طعنے دینے لگیں تیز زبانوں سے مالِ غنیمت کے لالچ میں''

آیت ۲۵: علامہ صاحب نے اس طرح ترجمہ عنایت فرمایا۔

''اور پھیر دیا اللہ نے منکروں کو اپنے غصّے میں بھرے ہوئے ہاتھ نہ لگی کچھ بھلائی''

لگے ہاتھوں شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمالیجیے۔

''اور پھیر دیا اللہ نے منکروں کو اپنے غصہ میں بھرے ہاتھ نہ لگی کچھ بھلائی''

اس ترجمے میں جناب علامہ نے اتنا کام تو کیا ہی ہے کہ ''بھرے ہاتھ'' کو ''بھرے ہوئے ہاتھ'' کر دیا۔ اب کون بے عقل ہے جو اُن کو مترجم نہ کہے گا؟ لیکن یہ بات نہیں کھلتی کہ آیت میں کیا کہا گیا ہے۔ اگر چند الفاظ کا اضافہ یا اُلٹ پھیر ہو جاتا تو مطلب واضح ہو جاتا۔ امام احمد رضا نے فی الفور یہ ترجمہ املا کرایا۔

''اور اللہ نے کافروں کو اُن کے دلوں کی جلن کے ساتھ پلٹایا کہ کچھ بھلا نہ پایا''۔

آیت ۳۷: جناب علامہ نے اس آیت کے ایک حصے کے تحت یہ ترجمہ تحریر فرمایا۔

''اور تو چھپاتا تھا اپنے دل میں ایک چیز جس کو اللہ کھولا چاہتا ہے اور ڈرتا تھا لوگوں سے اور اللہ سے زیادہ چاہیے ڈرنا تجھ کو''

شاہ عبدالقادر علیہ الرحمہ کا ترجمہ یہ ہے۔

''اور تو چھپاتا تھا اپنے دل میں ایک چیز جو اللہ اُس کو کھولا چاہتا ہے اور تو ڈرتا تھا لوگوں سے اور اللہ سے زیادہ چاہیے ڈرنا تجھ کو''

دونوں ترجموں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ لوگوں سے زیادہ ڈرتے تھے اور اس بات پر اللہ تعالیٰ نے اُن کو خبردار کیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضور اکرم ﷺ ایک معصیت میں مبتلا تھے (نعوذ باللّٰہ من ذالک)۔ وہ نبی جو تمام معصوموں سے افضل ہو اُس کا عمل کسی طرح خلاف منشائے الٰہی ہو سکتا

ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مترجمین زبان پر عبور نہیں رکھتے تھے۔ امام احمد رضا نے اس آیت کا ایسا صاف ترجمہ فرمایا کہ عصمتِ رسول ﷺ پر کوئی آنچ نہیں آتی۔ فوری طور پر لکھا ہوا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے۔

"اور تم اپنے دل میں رکھتے تھے وہ جسے اللہ کو ظاہر کرنا منظور تھا اور تمہیں لوگوں کے طعنے کا اندیشہ تھا اور اللہ زیادہ سزاوار ہے کہ اُس کا خوف رکھو"۔

آیت ۴۴ : جناب علامہ نے اپنے برائے نام ترجمے میں اس آیت کے ایک حصے کے تحت شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمے سے یہ عبارت کوئی لفظ، حرف، شوشہ، نقطہ بدلے بغیر جوں کی توں اُٹھا کر درج کرلی ہے۔

"دعا اُن کی جس دن اُس سے ملیں گے سلام ہے"

آگے بڑھنے سے پہلے اس ترجمے کو بار بار پڑھیے۔ اگر مفہوم واضح ہو جائے تو علامہ کی علامیت ہی کیا ہوئی۔ ہاں اس کے بعد کنزالایمان میں درج ترجمہ لکھا جائے گا، اُس کو پڑھنے کے بعد یہ ترجمہ بھی سمجھ میں آجائے گا۔ اُس لیے اس کو پڑھنے سے پہلے اگر آپ نے اس ترجمے کا مفہوم سمجھ لیا تو فقیر کی رائے میں آپ کے ذہن کی رسائی قابلِ تعریف ہے مولائے تعالیٰ آپ کی ذہنی قوتوں کو اور ترقی عطا فرمائے، آمین اب امام احمد رضا کا لکھایا ہوا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے۔

"اُن کے لیے ملتے وقت کی دعا سلام ہے"

کنزالایمان میں یہ خوبی اسلوب اور زبان کے صحیح استعمال کی وجہ سے ہی پیدا ہوئی ہے۔

آیت ۵۳ : جناب علامہ نے اس کے ایک جُز کا ترجمہ اس طرح درج مصحف فرمایا۔

"اے ایمان والو مت جاؤ نبی کے گھروں میں مگر جو تم کو حکم ہو کھانے کے واسطے نہ راہ دیکھنے والے اُس کے پکنے کی"

شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ یہ ہے۔

"اے ایمان والو مت جاؤ گھروں میں نبی کے مگر جو تم کو حکم ہو کھانے کے واسطے نہ راہ دیکھنے اُس کے پکنے کی"

آخری حصے (نہ راہ دیکھنے والے اُس کے پکنے کی) کا مفہوم غیر واضح ہے۔ عام قاری تو کیا کوئی بھی نہیں سمجھ سکتا۔ امام احمد رضا نے صحیح الفاظ کے استعمال سے اس ابہام کو کافور کر دیا۔ انہوں نے اس طرح ترجمہ املا کرایا۔

"اے ایمان والو نبی کے گھروں میں نہ حاضر ہو جب تک اذن نہ پاؤ۔ مثلاً کھانے کے لیے بلائے جاؤ نہ یوں کہ خود اُس کے پکنے کی راہ تکو"

آیت ۶۷: علامہ محمود الحسن صاحب نے بے سوچے سمجھے اس آیت کے ترجمے کی اس طرح تخریب کی۔

''اور کہیں گے اے رب ہم نے کہا مانا اپنے سرداروں کا اور اپنے بڑوں کا پھر انہوں نے چکا دیا ہم کو راہ سے''

جناب علامہ نے ''چکا دیا'' ''بھٹکا دیا'' یا ''گمراہ کردیا'' کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ جب کہ ''چکانا'' کا یہ مفہوم کسی لغت میں نہیں ہے۔ یہاں جناب علامہ سے بہت بڑی چوک ہوئی ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے پہلے شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے جو جناب علامہ کا اصل ماخذ ہے۔ شاہ صاحب نے ترجمہ تحریر فرمایا۔

''اور کہیں گے اے رب ہم نے کہا مانا اپنے سرداروں کا اور اپنے بڑوں کا پھر انہوں نے چوکا دی ہم سے راہ''

شاہ صاحب نے ''چوکا دی'' کا استعمال کیا تھا اگرچہ اس کا استعمال اب نہیں ہوتا، مگر ''چوکنا'' رائج ہے اسی کو شاہ صاحب نے ''چوکا دی'' بنا دیا۔ یہ شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی غلطی نہیں تھی، بلکہ اردو زبان کے تشکیلی دور میں ان کا لسانی اجتہاد تھا، جو مقبول نہ ہوا۔

جناب علامہ نے جب شاہ صاحب کے ترجمے میں ''چوکا دی ہم سے راہ'' لکھا دیکھا تو وہ سمجھے کہ قدیم املا میں جس طرح بہت سے الفاظ میں ''واؤ'' زائد ہوتا تھا اسی طرح ''چوکا دی'' میں بھی ہوگا (جیسے اوس بجائے اُس، اوترا بجائے اُترا، اُوٹھانا بجائے اُٹھانا وغیرہ میں) لیکن ایسے قیاس علم وفہم سے زیادہ تعلق رکھتے ہیں۔ جس کے پاس جس درجے کا علم اور جتنی عقل ہوگی ویسا ہی اُس کا قیاس ہوگا۔ جناب علامہ یہاں غچہ کھا گئے اور اپنی ساری پول کھلوا بیٹھے۔ کاش کہ عقل سے کام نہ لیتے اور شاہ صاحب کا ترجمہ ہی نقل کر دیتے تو بھرم ضرور رہ جاتا۔ مگر انہیں صبر نہیں ہوا ''چوکا'' کا واؤ اڑا دیا۔ واضح ہو کہ ''چکا دیا'' کا یہاں کوئی مطلب ہی نہیں ہے، کیونکہ چکانا کے معنی ہیں۔ بھگتان کرنا، بے باق کرنا، ادا کرنا، فیصلہ کرنا وغیرہم۔

البتہ دھوکا دینے کے لیے ''چکائی دینا'' آتا ہے مگر بہت کم؛ بلکہ اب تو صرف لغات میں محفوظ ہے۔ یہاں اس کا بھی شبہ نہیں کیونکہ جناب علامہ نے صاف طور سے ''چکا دیا'' لکھا ہے، جس کا دھوکا دینے سے کوئی تعلق نہیں۔

امام احمد رضا نے یوں ترجمہ عنایت فرمایا۔

''اور کہیں گے اے ہمارے رب ہم اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کے کہنے پر چلے تو انہوں نے ہمیں کان سے بہکا دیا''۔

نہایت صاف واضح اور رواں ترجمہ ہے۔ (باقی آئندہ ...... ان شاء اللہ)

☆☆☆☆☆☆☆

اعلیٰ حضرت کے ایک شعر کی صحیح ترجمانی

از: محمد نعیم برکاتی بن محمد سالار کپٹھال، قول پیٹ، ہبلی (کرناٹک)

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم ! اما بعد

سہ ماہی "افکار رضا' ممبئی" بابت شمارہ جولائی تا دسمبر ۲۰۰۲ کے صفحہ ۴۹ پر مندرجہ بالا عنوان سے ایک تنقید پروفیسر طلحہ رضوی برق دانا پوری، پٹنہ کی نظر نواز ہوئی۔ جس میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی اس شعر۔

یا الٰہی جب سرِ شمشیر پر چلنا پڑے
ربِّ سلّم کہنے والے غم زدہ کا ساتھ ہو

کی قرأت کے تحت پروفیسر طلحہ رضوی برق نے لکھا ہے کہ اس حقیر کم سواد کے پیش نظر شعر مذکورہ بالا کی قرأت زاء بالفتحہ کے ساتھ ہی صحیح ہوگی۔

لیکن اس کی وضاحت میں انہوں نے کوئی ثبوت پیش نہیں کیا ہے۔ کہ لفظ "غم زدہ" میں زاء بالفتحہ کا معنی کیا ہے اور زاء بالکسرہ و زاء بالضمہ کا معنی کیا ہوتا ہے۔ اور جو ثبوت "فرہنگ ہمراہ" سے انہوں نے پیش کیا ہے، وہ بھی زاء بالکسر ہی ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی مذکورہ بالا شعر کی قرأت زاء بالفتحہ کے ساتھ ہی صحیح ہونے کا انہوں نے دعویٰ کیا ہے۔ اور حضور احسن العلما علیہ الرحمہ جو مارہرہ شریف کی ایک اعلیٰ و مایہ ناز شخصیت ہیں، کی تنبیہ پر بے جا تنقید فرمائی ہے۔ اور کوئی ٹھوس ثبوت بھی اس ضمن میں پیش نہیں فرمایا جس سے یہ بات ظاہر ہے کہ یہ تو ان کا اپنا قیاس ہے۔

کیونکہ مذکورہ بالا شعر کی قرأت زاء بالکسر یا زاء بالضمہ کے ساتھ ہی صحیح و درست ہے۔ چنانچہ عربی، فارسی و ترکی کی ایک اور مشہور لغات "فرہنگ عامرہ" میں ہے۔

زدا (زِدا) یعنی صاف کرنے والا۔ (فرہنگ عامرہ عربی، فارسی و ترکی لغات ص ۲۶۰ مطبوعہ دہلی)

نیز پروفیسر صاحب نے لکھا ہے کہ لفظی ساخت کے اعتبار سے "غم زدہ" بالضمہ غلط ہوگا کہ "زُدن" کوئی مصدر صاف کرنے اور قلعی کرنے کے معنی میں وجود نہیں رکھتا۔

اس کے جواب میں فارسی کی ایک اور مشہور لغات 'غیاث اللغات' میں ہے۔

"زُدودن" بضمتین زنگ از چیز دور کردن و صاف و روشن کردن۔

اور ''سراج اللغات'' میں ہے۔

بکسر اوّل وضم اوّل ہر دو صحیح گفتہ۔

اسی طرح فارسی کی ایک اور مشہور لغات ''لغات کشوری'' میں ہے۔

زَدَہ یعنی مارا ہوا۔ چوٹ کھایا ہوا۔

زُدَا یعنی صاف کرنے والا۔ پاک کرنے والا۔

زُدُوْدَن یعنی زنگ چھڑوانا' میقل کرنا۔ (لغات کشوری کلاں صفحہ نمبر ۲۲۶ مطبوعہ کراچی)

نیز ''صفوۃ المصادر'' میں باب زائے معجمہ کے تحت یوں تحریر ہے۔

''زدون'' یعنی ''چھیلنا'' ۔ اور اسم فاعل کے خانہ میں ''غمزدائے'' اور اسم مفعول کے خانہ میں ''زدودہ'' تحریر ہے۔ (صفوۃ المصادر ص ۴۲ مطبوعہ نیشنل بک ڈپو، حیدر آباد)

اسی طرح ''فارسی قاعدہ المعروف بہ تسہیل المصادر'' میں شاگرد حضرت صدرالشریعۃ مولانا امجد علی صاحب اعظمی قدس سرہٗ حضرت مولانا مفتی محمد عبدالرشید فتح پوری تحریر فرماتے ہیں۔

مصدر ''زدودن'' کا معنی ''میقل کرنا'' ہے اور اس کا اسمِ فاعل سماعی ''غم زدہ'' ہے۔ اور اسمِ مفعول ''زدودہ'' ہے۔ (فارسی قاعدہ از۔ مفتی محمد عبدالرشید فتح پوری ص ۳۸ مطبوعہ دہلی)

''مصدر'' یعنی جہاں سے وہ صادر ہو۔ اور مصدور وہ ہے جس سے دوسرے لفظ بنیں۔ فارسی میں مصدر کے آگے 'دن یا تن' ہوتا ہے۔ جیسے پروردن (پالنا)۔ گفتن (کہنا)۔ اور اردو میں مصدر کے آخر ''نا'' ہوتا ہے۔ جیسے: لکھنا' پڑھنا' وغیرہ۔

اور ''میقل کرنا'' کا معنی ہے ''صاف کرنا۔ چمکانا، جلا دینا۔ (جامع فیروز اللغات کلاں ص ۸۶۷)

جب کہ اس کے مقابل ''زَدَہ'' بالفتح کا معنی اسی ''جامع فیروز اللغات'' میں ہے: (۱) مارا ہوا۔ ضرب رسیدہ۔ (۲) مصیبت کا مارا۔ مفلوک (۳) بوسیدہ۔ گلا ہوا۔ (جامع فیروز اللغات کلاں ص ۷۳۳)

جب ''زَدَہ'' بالفتح کا معنی ''مارا ہوا'' ہے تو ظاہر بات ہے کہ ''غم زَدَہ'' کا معنی ہوا ''غم کا مارا ہوا'' ۔ اس لیے ''زَدَہ'' بالفتح صحیح نہیں بلکہ ''زُدَا'' بالضمہ صحیح ہے۔ جیسا کہ اس سے قبل ''لغاتِ کشوری'' کے حوالے سے بھی آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ کہ اس ''زُدَا'' کا معنی ہے: صاف کرنے والا۔ پاک کرنے والا۔ (لغاتِ کشوری کلاں صفحہ نمبر ۲۲۶ مطبوعہ دارالاشاعت، اُردو بازار، کراچی)

کتاب ''تیسیر المبتدیٰ'' جو مولوی اشرف علی تھانوی کے حکم سے مولوی عبداللہ گنگوہی نے ۱۹۳۹ء مطابق ۱۳۸۵ھ کتب خانہ رحیمیہ، دیوبند سہارنپور سے شائع کی ہے، میں ''زدودن'' اور زدائیدن'' دونوں

مصادر بمعنی ''کھرچنا'' اور صاف کرنا'' لکھا ہوا ہے۔ (تیسیر المبتدی)

کتاب ''فیضانِ سنت'' میں بھی امیر دعوتِ اسلامی مولانا محمد الیاس قادری مدظلہٗ العالی نے بھی ''مناجات'' کے حاشیہ میں یوں لکھا ہے۔

دبِّ سَلِّمْ کہنے والے غم زُدا کا ساتھ ہو

حاشیہ:۱ یہاں ''غم زدہ'' بمعنی ''غم کا مارا ہوا'' نہیں بلکہ ''غم زُدا'' بمعنی ''غم کو مٹانے والا'' ہے۔ رسم الخط بھی آخر میں ''ہ'' سے نہیں ''الف'' سے ہے۔ سگِ مدینہ عُفی عنہٗ (فیضانِ سنت صفحہ نمبر۱)

لیکن اِن سارے ثبوت وحوالوں کے باوجود، پروفیسر صاحب کا یہ گمان کہ یہاں کسرہ کی جگہ فتح یا زیر کی جگہ زبر پڑھنے سے کچھ فرق نہیں پڑتا سراسر غلط ہے۔ جس کا اندازا آپ اِس واقعے سے لگا سکتے ہیں۔

حضرت علامہ مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ جب زیارتِ حرمین شریفین سے فارغ ہوکر بغداد آئے تو وہاں کے ایک بزرگ پیر جمال عراقی علیہ الرحمہ آپ سے اسی حلیے میں ملنے آئے کہ اُن کے اور اُن کے تمام مریدوں کے بدنوں پر اُونٹ کی پشم کے لباس تھے۔ علامہ جامی سے ملتے ہوئے اُنہوں نے کہا۔

''ماجَمالِ الٰہی دیدیم''

یعنی ہم نے آپ کی زیارت کرکے اللہ کے جمال کا مشاہدہ کیا ہے۔

علامہ جامی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح جواب دیا۔

''مانیز جِمالِ الٰہی دیدم''۔

یعنی ہم نے بھی آپ کی زیارت کرکے اللہ کے اُونٹ دیکھے ہیں۔

دیکھئے جمال پر زبر اور زیر (فتح وکسرہ) آنے سے معنی کس قدر بدل گئے ہیں۔ عربی میں جَمال حُسن کو اور جِمال اُونٹوں کو کہتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضلِ بریلوی علیہ الرحمہ نے اپنی ایک فارسی نعت اور شجرۂ طیبہ میں بھی ''زُدا'' کا لفظ واضح طور پر ''دور کرنے'' کے معنی میں استعمال فرمایا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو

اے مقتدا، شمعِ ہدیٰ، نورِ خدا، ظلمت زُدا

مہرت فدا، ماہت گدا، نورت جدا ازایں وآں

(حدائق بخشش حصہ دوم ص ۵۵)

ثروتِ بے ثروتاں اے قوتِ بے قوتاں

اے پناہ بیکساں اے غم زُدا امداد کن

(حدائق بخشش حصہ دوم صفحہ نمبر ۵۷)

حضور مفتیٔ اعظم حضرت علامہ محمد مصطفےٰ خاں رضوی علیہ الرحمہ نے تو اپنے نعتیہ کلام "سامانِ بخشش" میں لفظ غم زَدا اور غم زُدا کا فرق اس قدر واضح کر دیا ہے کہ اب اس کے بعد کسی اور دلیل کی گنجائش باقی نہیں رہتی ۔

باپ، ماں، بھائی، بہن، فرزندو زن اک اک جدا
غم زَدہ ہر ایک ہے اور غم زُدہ ملتا نہیں

(سامانِ بخشش صفحہ نمبر ۱۱۸، مطبوعہ رضا بک ڈپو دہلی)

اس شعر میں آپ خود ملاحظہ کریں کہ اس میں پہلے غم زَدہ میں زاء بالفتح کا معنی "غم کا مارا ہوا" اور دوسرے غم زُدہ یا غم زِدہ میں زاء بالضمہ یا زاء بالکسرہ کا معنی "غم دور کرنے والا" بالکل واضح ہے۔

یعنی کہ حضور مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ نے اس شعر میں غم زَدا اوّل کا استعمال "غم کا مارا ہوا" اور غم زُدا دوم کا استعمال "غم دور کرنے والا" کے مفہوم میں کیا ہے۔ اس کی جگہ اگر دونوں جگہ "غم زَدا" بالفتح ہی استعمال ہو (دونوں جگہ زبر ہی ہو) تو اس میں فرق ہی نہ رہے گا۔ یا تو دونوں جگہ معنی "غم کا مارا ہوا" ہی ہوگا یا پھر ہر دو جگہ معنی "غم دور کرنے والا" ہی ہوگا۔ جس سے شعر کا مطلب بھی غلط ہوگا۔ کوئی فرق ہی نہ رہے گا۔ یونہی ایک اور جگہ حضور مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

ملول اے غم زَدو تم کس لیے ہو
وہ پیارا مصطفےٰ جب غم زُدا ہے

(سامانِ بخشش صفحہ نمبر ۱۸۷)

یہاں پر بھی حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے اس شعر کے مصرعۂ اوّل میں غم زَدو کا استعمال "غم کے مارو" اور مصرعۂ ثانی میں غم زُدا کا استعمال "غم دور کرنے والا" کے مفہوم میں ہی کیا ہے۔

اور یہ ظاہر بات ہے کہ اس میں مصرعۂ اوّل کے غمزدا اور مصرعۂ ثانی کے غم زُدا کے مفہوم کو صحیح واضح کرنے کے لیے اس کی قرأت میں بھی فرق کرنا لازمی ہے۔ ورنہ دونوں کا مطلب ایک ہی ہوگا اور فرق نہ رہے گا۔

اسی لیے آپ کتاب "حدائق بخشش کلاں مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی کے حصہ دوم نمبر ۵۷" پر پیچھے تحریر شدہ شعر ۔ ثروتِ بے ثروتاں الخ میں لفظ "غم زِدا" کی کتابت بھی بغور دیکھ لیں کہ یہاں پر بھی باقاعدہ زاء پر زیر (کسرہ) تحریر ہے اسی طرح ایک اور جگہ اسی "حدائق بخشش" کے صفحہ نمبر ۳۷ پر پہلی سطر ہی میں تحریر شدہ اس شعر۔

تم سے غم کو کیا تعلق = بے کسوں کے غم زدا ہو

میں بھی لفظ ''غم زِدا'' کی کتابت آپ بخوبی دیکھ لیں کہ یہاں پر بھی با قاعدہ زاء پر زیر (کسرہ) تحریر ہے۔ نیز اس شعر میں تو غم زِدا یعنی غم دور کرنے والے کا مفہوم اتنا واضح اور جلی ہے کہ اس کے بیان کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔ ''عیاں راچہ بیاں''۔

یونہی آپ فارسی ہی کی ایک مشہور لغات ''لغات کشوری'' مطبوعہ دارالاشاعت' اردو بازار' کراچی کے صفحہ نمبر ۲۲۶ پر لفظ ''زدا'' کی کتابت بھی بخوبی ملاحظہ کر سکتے ہیں کہ یہاں پر بھی لفظ ''زُدا'' کی وہ کتابت جس کا معنی ''صاف کرنے والا۔ پاک کرنے والا'' ہے، اس کے زاء پر با قاعدہ پیش (ضمہ) تحریر ہے۔ اور اسی صفحہ پر لفظ ''زَدہ'' کی وہ کتابت جس کا معنی ''مارا ہوا۔ چوٹ کھایا ہوا'' ہے۔ اس کے زاء پر با قاعدہ زبر (فتح) تحریر ہے۔ لغات کھول کر یہ دونوں لفظ ''زُدا۔ اور۔ زَدہ'' کی کتابت دیکھ لیں۔

نیز عربی' فارسی وترکی کی ایک اور مشہور لغات ''فرہنگ عامرہ'' مطبوعہ اعتقاد پبلشنگ ہاؤس' نئی دہلی کے صفحہ نمبر ۲۶۰ پر بھی لفظ ''زِدا'' جس کا معنی ہے ''صاف کرنے والا'' اس کی کتابت بھی آپ خود دیکھ لیں کہ یہاں پر بھی ''زِدا'' کے زاء پر با قاعدہ زیر (کسرہ) لکھا ہوا ہے۔

لیکن اس کے مقابل کسی بھی لغات میں لفظ ''زدا'' کا وہ معنی جس کے معنی ہیں ''صاف کرنے والا یا پاک کرنے والا'' اس کی کتابت میں زاء پر زبر (فتح) تحریر نہیں۔ بلکہ ہر جگہ' ہر لغات میں اس جگہ زاء پر زیر یا پیش (کسرہ یا ضمہ) ہی تحریر ہے...... ہاں' البتہ ''زدا'' یا ''زدہ'' کا وہ معنی جس کے معنی ہیں ''مارا ہوا یا چوٹ کھایا ہوا'' اس کی کتابت میں اکثر لغات میں زاء پر زبر (فتح) با قاعدہ تحریر ہے، جیسے:

زَدہ = مارا ہوا۔ چوٹ کھایا ہوا۔ (لغات کشوری صفحہ نمبر ۲۲۶)۔

زَدہ = مارا ہوا۔ ضرب رسیدہ، مصیبت کا مارا ہوا۔ مفلوک۔ بوسیدہ۔ گلا ہوا۔ کمزور۔

(جامع فیروز اللغات کلاں جلد دوم صفحہ نمبر ۷۴۳ مطبوعہ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی)

(جامع فیروز اللغات کلاں مکمل مجلد صفحہ نمبر ۷۴۳ مطبوعہ زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور)

afflicted grieved, - aggrieved = غمزدہ gham-za'dah

(ٹوئینٹیتھ سنچری اُردو۔ انگریزی، ڈکشنری کلاں صفحہ نمبر ۴۳۶ مطبوعہ فرید بک ڈپو' دہلی)

نیز اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ اور حضور مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ کے علاوہ شاعر مشرق ڈاکٹر علامہ اقبال نے بھی اپنی نظم ''ابر کوہسار'' میں ''غمزدا'' کا استعمال ''غم دور کرنے والے'' ہی کے مفہوم میں کیا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو

غم زدائے دلِ افسردۂ دہقاں ہونا
رونقِ بزمِ جوانانِ گلستاں ہونا

(بانگِ درا)

اس شعر کی تشریح میں پروفیسر یوسف سلیم چشتی لکھتے ہیں۔
غم زدائے۔ زدودن بمعنی مٹانا، دور کرنا، صاف کرنا۔ غم زدائے بمعنی غم کو دور کرنے والا۔

(شرح بانگِ درا صفحہ نمبر ۷۸)

پھر آخر میں پروفیسر طلحہ رضوی برق لکھتے ہیں۔
اب رہی بات غم زدہ بمعنی "غم کا مارا ہوا" تو غمزدہ بالعموم افسردہ وملول ومغموم کے معنی میں آتا ہی ہے۔ اور یہ معنی نکالنا کہ "جب نبی خود غم کے مارے ہوں تو فریادرسی کیسے فرمائیں گے" عجیب و گنجلک ہے۔
ان کا یہ لکھنا ہم سنّی حضرات (اہل سنت و جماعت) کی حد تک درست و بجا ہے کہ کوئی بھی سنّی صحیح العقیدہ شخص یہ معنی نکال نہیں سکتا اور نہ ہی اس جانب اس کا تصور تک بھی دل میں لا سکتا ہے۔ لیکن کون روکے اُن نجدی وہابی مولویوں کی زبان وقلم کو! جنہیں سنّی و بریلوی علما کی جب تک نکتہ چینی نہ کرلیں، اپنے علم پر انہیں مکمل اعتماد نہیں ہوتا۔

اس لیے یہاں پر اس کی وضاحت کر دینا بہتر ہے، تبھی تو ہم نے مولوی اشرف علی تھانوی کے حکم سے مولوی عبداللہ گنگوہی کی لکھی ہوئی کتاب "تیسیر المبتدی" سے بھی اس کا خلاصہ پیش کر دیا ہے۔ تاکہ تحفظِ ناموسِ اعلیٰ حضرت و اہل سنت برقرار رہے اور اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی کسی بھی تحریر پر کسی طرح کی کوئی آنچ نہ آنے پائے۔

یا الٰہی جب سرِ شمشیر پر چلنا پڑے
ربِّ سَلِّم کہنے والے غم زُدا کا ساتھ ہو

یعنی بروزِ حشر پل صراط پر سے گزرنا پڑے جو بال سے زیادہ باریک اور شمشیر سے زیادہ تیز ہے، ایسے مشکل اور نازک وقت میں وہ ذاتِ پاک ﷺ جو اپنے مالکِ حقیقی سے اپنی اُمت کی سلامتی سے گزرنے کی دعا مانگ رہی ہو اور ربِّ سلّم کہہ کر اُمت کے غم واندوہ اور رنج والم کو کافور کر رہی ہو۔ یا الٰہ العالمین! اس ذاتِ بابرکات علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رفاقت ومعیت نصیب فرما۔

VVVVVVVVV

اعلیٰ حضرت کے ایک شعر کی صحیح ترجمانی حضرت حکیم الامت کی زبانی

(قسط دوم)

مختصر تشریح از: حکیم الامت حضرت علامہ مفتی احمد یار خاں نعیمی بدایونی علیہ الرحمہ

ترتیب و اضافہ از: محمد نعیم برکاتی بن محمد سالار کوٹھال، قول پیٹ، ہبلی (کرناٹک)

کرکے تمہارے گناہ' مانگیں تمہاری پناہ
تم کہو دامن میں آ' تم پہ کروروں درود

غورث بن حارث کا گستاخیٔ رسول سے آپ ﷺ کی پناہ مانگنا:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ وہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ نجد کے اطراف میں ایک غزوہ میں شریک تھے۔ جب حضور اقدس ﷺ مہم سے واپس ہوئے تو آپ کے ساتھ میں بھی واپس ہوا۔ راستے میں قیلولہ کا وقت ایک ایسی وادی میں ہوا' جس میں ببول کے درخت بکثرت تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے اسی وادی میں پڑاؤ کیا۔ اور صحابہ منتشر ہوکر درختوں کے سایہ میں چلے گئے۔ رسول اکرم ﷺ نے بھی ایک ببول کے درخت کے سایے تلے قیام فرمایا اور اپنی تلوار درخت پر لٹکادی۔ ہم سب سوچکے کہ اچانک حضور پرنور ﷺ کے پکارنے کی آواز سنی۔ دیکھا تو ایک اعرابی آپ کے پاس تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس نے میری ہی تلوار مجھ پر کھینچ لی تھی اور میں سویا ہوا تھا۔ جب بیدار ہوا تو ننگی تلوار اس کے ہاتھ میں تھی۔ اس نے مجھ سے کہا: - اب تمہیں کون بچائے گا؟ ...... میں نے تین مرتبہ کہا کہ ''اللہ'' الخ ۳۴

حضرت علامہ قاضی ابوالفضل عیاض مالکی (المتوفی ۵۴۴ھ) رحمۃ اللہ علیہ آگے فرماتے ہیں۔

''اتنا سنتے ہی نبوت کی ہیبت سے اس کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ کر گر پڑی۔ تو نبی کریم ﷺ نے وہ تلوار اُٹھالی اور فرمایا کہ اب تو بتا کہ تجھے میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟...... غورث گوگڑا کر کہنے لگا کہ آپ خود بہتر قابو پانے والے ہیں' آپ ہی میری جان بچادیں۔ رحمتِ عالم ﷺ نے اسے چھوڑ دیا اور اس کا قصور معاف کردیا اور اسے جانے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ غورث جب اپنی قوم میں واپس لوٹا تو کہنے لگا کہ میں بہترین انسان کے پاس سے آرہا ہوں اور سارا واقعہ سنایا۔ ۳۵

اب پڑھیے میرے اعلیٰ حضرت کا شعر ؎

کرکے تمہارے گناہ' مانگیں تمہاری پناہ
تم کہو دامن میں آ' تم پہ کروروں درود

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے واقدی سے نقل فرمایا ہے کہ وہ اسلام لے آیا اور اپنی قوم کے بہت سے لوگوں کو اسلام کی دعوت دی جس کے سبب خلق کثیر نے ہدایت پائی ۳۶

الغرض اس طرح کے نبی رحمت ﷺ کی حیات طیبہ میں ہزاروں واقعات ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ حلم و عفو یعنی ایذاؤں کا برداشت کرنا اور مجرموں کو قدرت کے باوجود بغیر انتقام لیے چھوڑ دینا اور معاف کر دینا، آپ ﷺ کی یہ عادت کریمہ بھی آپ کے اخلاق حسنہ کا وہ عظیم شاہکار ہے جو ساری دنیا میں عدیم المثال ہے۔ ۳۷

نیز شیخ محقق حضرت علامہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اور آپ کے اوصاف حمیدہ میں مذکور ہے کہ آپ نہ خود سخت کلامی فرماتے تھے اور نہ کسی کی سخت کلامی کا بدلہ لیتے تھے بلکہ عفو و درگذر سے کام لیتے تھے۔ ۳۸

اپنے خطاوار کو اپنے ہی دامن میں لو
کون کرے یہ بھلا تم پہ کروروں درود

ماخذ و مراجع

۲۳ پارہ نمبر ۱۱ سورۂ توبہ آیت ۱۰۳۔
۲۴ کنزالایمان۔
۲۵ صحیح بخاری کتاب المناقب باب ہجرۃ النبی ﷺ واصحابہ الی المدینۃ۔
۲۶ الکامل فی التاریخ جلد دوم صفحہ ۱۶۴۔ تفسیر تبیان القرآن جلد دوم صفحہ ۳۲۲ مطبوعہ لاہور۔
۲۷ الکامل فی التاریخ جلد دوم صفحہ ۱۷۱۔ تفسیر روح البیان پارہ ۲۸ سورۂ ممتحنہ آیت ۱۲، صفحہ ۴۸۲
۲۸ الکامل فی التاریخ جلد دوم صفحہ ۱۶۸ مطبوعہ بیروت۔ تفسیر تبیان القرآن جلد دوم صفحہ ۳۲۳، مطبوعہ لاہور
۲۹ تفسیر ضیاء القرآن جلد دوم صفحہ ۲۳۹۔۲۴۰
۳۰ تفسیر کبیر۔ تفسیر ضیاء القرآن جلد دوم صفحہ ۲۳۹۔۲۴۰
۳۱ پارہ ۲۵ سورۂ دخان آیت ۱۰۔۱۱
۳۲ کنزالایمان
۳۳ صحیح بخاری کتاب التفسیر سورۂ دخان باب یغشی الناس ھذا عذاب الیم
۳۴ صحیح بخاری کتاب الجہاد والسیر باب من علق سیفہ بالشجر فی السفر عند القائلۃ۔
صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ ذات الرقاع حدیث صلوٰۃ الخوف۔
۳۵ کتاب الشفاء القسم الاول باب دوم فصل ۱۲۔ سیرت مصطفےٰ صفحہ ۴۵۲۔ مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۱۸۳۔۳۲۵
۳۶ مواہب اللدنیہ جلد اوّل مقصد اوّل باب غزوۂ ذات الرقاع۔ مدارج النبوۃ جلد دوم صفحہ ۱۸۳۔۳۲۵
۳۷ سیرت مصطفےٰ صفحہ ۴۵۳۔ ۳۸ مدارج النبوۃ جلد اول صفحہ ۲۷۔

نعت کے جنگوؤں کے تعاقب میں ماضی کا سفر

از قلم: ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی۔ کراچی

ہمیں اس بات کی خبر ہے کہ:

جو تھا نہیں ہے، جو ہے نہ ہوگا، یہی ہے اک حرف محرمانہ

لیکن گزرتا ہوا زمانہ اس ماضی کے نقوش کو نہ مٹا سکتا ہے اور نہ دھندلا سکتا ہے جو ہمارے وجود کا حصہ ہیں اور جو ہمارے ذہن کی لوح پر مرتسم ہیں۔

ماضی کے نقوش انسانی زندگی کی طرح گوناگوں، رنگ برنگے اور متنوع ہوتے ہیں۔ ماں کی محبت کا کوئی اَن مٹ نقش، باپ کی رفاقت کا کوئی نہ بھولنے والا واقعہ، کسی عزیز دوست سے اچانک لڑائی اور اس کے نتیجے میں جسم کے کسی حصے میں باقی رہ جانے والا زخم کا نشان، جو وقت گزرنے کے ساتھ جتنا ہلکا اور مدّھم ہو جاتا ہے اتنا ہی عزیز ہو جاتا ہے۔ بچپن میں سُنے ہوئے بول اور شعر۔

اب ذرا اپنے مکانوں کا ایک ہلکا سا خاکہ اور نقشہ آپ کے سامنے پیش کردوں۔ کانپور میں ہمارے علاقے کا نام بیگم گنج تھا۔ بیگم گنج کا چوراہا دادا میاں کا چوراہا کہلاتا تھا۔ کسی میونسپل الیکشن کے موقع پر کارپوریشن نے اس خالص مسلم آبادی والے علاقے کے اس چوراہے کا نام "حضرت غلام رسول رسول نما دادا میاں کراسنگ" رکھ دیا تھا اور پتھر کا بہت بڑا بورڈ نصب کر دیا تھا۔ اس چوراہے کے بالکل سامنے دادا میاں کا حاطہ (احاطہ) تھا۔ بڑا سا پھاٹک جس سے ہاتھی گزر جائے۔ پھاٹک کے اندر داخل ہوتے ہی دائیں ہاتھ پر دادا میاں کی مسجد، مسجد بہت بڑی نہیں تھی مگر اس میں عجب کیفیت تھی۔ ان دنوں مسجدوں کے دروازے راتوں کو بند نہیں کیے جاتے۔ مسافر، ایک آدمی رات کے لیے مسجدوں میں ٹھہر جاتے۔ ہم لوگ اپنے گھر کی بزرگ خواتین کے حکم سے انہیں کھانا پیش کرتے، اور سونے کے لیے تکیہ اور چادر بھی۔ ایسی مسجد سے ملا ہوا ہمارا مردانہ مکان تھا۔ ایک کمرہ اور ایک حجرہ، ایک برآمدہ اور بڑا سا صحن۔ جمعہ کے دن جمعہ کی نماز مسجد کے علاوہ اس مردانے میں بھی ادا کی جاتی۔ اور رات کو میرے والد (محمد جان) اور کچھ بڑے ہونے کے بعد میں اور میرے بھائی بھی اسی مردانے میں سوتے۔ گرمیوں میں صحن میں اور جاڑوں میں برآمدے اور کمرے میں۔ گرمیوں میں کئی اور لوگ بھی ہمارے مردانے کے صحن میں سوتے۔ سردیوں میں بھی مہمان برآمدے میں اپنا ٹھکانا لیتے۔ مردانے سے کوئی دو تین سو قدم کے فاصلے پر ہمارا زنانہ مکان تھا۔ اس دروازے کو بھی پھاٹک کہنا چاہیے۔ جس وقت گھر میں کوئی خادمہ یا بچہ نہیں ہوتا تو گھر کی عورتیں

اسی پھاٹک کی کنڈی بجا کر مردانے سے رابطہ قائم کرتیں۔

زنان خانہ بہت بڑا تھا۔ ایک بہت بڑا کچا صحن جس میں سب ماموں زاد، چچازاد، خالہ زاد، محلے کے بچے کرکٹ کھیلتے۔ پھر ایک بڑا پختہ چبوترہ تھا۔ اس کے بعد برآمدہ اور پھر کمرے...... گھر کے اندر چہار دیواری کھینچ کر دو چھوٹے مکان بنا دیے گئے تھے۔ ان میں سے ایک ہمارا تھا۔ زنان خانہ ماشاء اللہ خوب آباد تھا۔ دادی بی، دو پھوپھیاں، ایک پھوپھی زاد بھائی کا کنبہ اور عزیز رشتے دار خواتین جن میں سے کچھ مستقل مقیم تھیں اور کچھ عارضی طور پر آ کر رہتیں۔ ان سب کی دلچسپیاں الگ الگ تھیں۔ مگر ایک دلچسپی سب کے درمیان مشترک تھی۔ وہ تھی سیرت اور میلاد کی کتابوں کا پڑھنا اور نعت خوانی۔ جہاں اتنی سننے والیاں اور پڑھنے والیاں ہوں وہاں ''مولود'' کی محفلوں، سیرت کے اجتماعات کے لیے کوئی بہانہ بھی درکار نہیں تھا۔ گاگا یا ان کی بیٹیاں آ گئیں تو اچھی پھوا نے کسی نعت کی فرمائش کر دی۔ برآمدے میں ایک بڑا سا تخت بچھا تھا اور چار پانچ چارپائیاں دن میں بھی بچھی رہتیں۔ اچھی پھوا تخت پر بیٹھی رہتیں اپنی جانماز پر، گاگا یا احمری بیگم نعت خوانی شروع کر دیتیں...... سننے والیاں آتی جاتیں اور چارپائیوں پر بیٹھتی جاتیں۔ ان غیر رسمی محافلِ نعت کے علاوہ ربیع الاوّل میں تقریباً پورے مہینے زنان خانہ ذکرِ رسول (ﷺ) سے منور رہتا۔ سال میں دو بار سفیدی کرائی جاتی۔ رمضان المبارک میں اور ربیع الاوّل میں۔ اور ہمیشہ...... چونے کی پتائی ہوتی۔ سفید رنگ...... گھر کے کسی سفید پوش نورانی بزرگ کی طرح دکھائی دیتا۔

ہر دن تو نہیں مگر ہر ہفتے دو تین دن ان محفلوں کے بعد بتاشے تقسیم کیے جاتے۔ شاید بتاشے چھ آنے یا آٹھ آنے سیر تھے اور اتنے ہلکے ہوتے کہ ایک سیر میں پینتیس چالیس بتاشے آ جاتے۔ جب باقاعدہ محفل ہوتی تو اچھی پھوا ٹکلیاں تقسیم کر دیتی تھیں۔ چھوٹی چھوٹی کاغذی تھیلیوں میں۔ میلاد کی ایسی محفلوں میں بڑی خواتین کے ساتھ لڑکیاں بالیاں بھی شرکت کرتیں اور نعتیں پڑھتیں یا میلادِ سعیدی اور میلادِ اکبر سے کوئی ''بیان'' پڑھ کر سناتیں۔ ان دنوں بہت سے مسلمان گھرانوں اور محفلوں میں ''استانی جی'' کی حکومت کا آغاز ہو چکا تھا۔ اچھی پھوا اس کے سخت خلاف تھیں۔ اپنی ''معتبر'' آواز میں رُک رُک کر اور بڑی متانت کے ساتھ وہ کہتیں ''اللہ اکبر! اپنے حبیب اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو بھی پیشہ بنایا جا رہا ہے۔ ارے اللہ اور اس کے رسول کے نام سے ہم اپنی زبانوں کو پاک کیوں نہ کریں۔'' میلاد کی ان روایتی اور مقبول کتابوں کے علاوہ ہمارے زنان خانے تک علامہ راشد الخیری کی تصنیف ''آمنہ کا لعل'' پہنچ چکی تھی۔ مگر لڑکیوں کو اس کی نعتوں کے پڑھنے میں لطف نہ آتا۔ باجی نے اس کی یہ صورت نکالی کہ نثری بیان تو ''آمنہ کا لعل'' سے پڑھے جائیں اور نعتیں میلاد کی مروجہ کتابوں سے۔

ان محفلوں میں پڑھی جانے والی نعتیں اب تک میرے ذہن میں گونج رہی ہیں اور ان شاموں اور راتوں کی خوشبو، روشنی اور فضا جیسے آج بھی حقیقت کی طرح اپنے آپ کو دہرا رہی ہیں۔ ان محفلوں میں جب لڑکیوں کی آواز زیادہ بلند ہوتی اور باہر گلی تک پہنچنے کا اندیشہ ہوتا تو اچھی پھوا کی "ہوں" گونجتی اور آوازیں پست ہو جاتیں۔ زیادہ ترحمدیں اور نعتیں میلادِ اکبر سے پڑھی جاتیں۔ ان نعتوں کی دھنیں کس نے اور کب بنائیں؟ مجھے معلوم نہیں، لیکن ہر گھر اور ہر محفل میں یہی آشنا دھنیں سنائی دیتیں۔ یہی نہیں بلکہ ربیع الاوّل میں شہر شہر انہیں دھنوں سے ایک میلادی اور ثنائی ماحول پیش کرتے۔ شاید یہ خواجہ محمد اکبر وارثی کا کمال ہو کہ انہوں نے ایسی بحریں منتخب کیں جو ہمارے اجتماعی شعور اور لاشعور میں گونج رہی تھیں۔ میں اس نکتے کو کئی مضامین میں پیش کر چکا ہوں کہ بعض آوازیں، بعض دھنیں اور بول ہمارے اجتماعی لاشعور کا حصہ ہیں۔ یہ آوازیں اور یہ موسیقی عرصے تک گونجتی رہتی ہیں اور جب اجتماعی زندگی میں تبدیلی آتی ہے تو ان کی جگہ دوسری آوازیں لے لیتی ہیں۔ (ملاحظہ ہو "نعت اور گنجینۂ معنی کا طلسم"۔ "نعت رنگ" نمبر ۴، کراچی)

خواجہ محمد اکبر وارثی اچھے شاعر تھے اور میلادِ اکبر کا شعری حصہ دوسرے میلادوں کے شعری حصے سے بدرجہا بہتر ہے۔ اب بھی اچھی نعتوں کے مصرعے دو یا زیادہ ہم آہنگ ٹکڑوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ یوں نغمگی میں اضافہ ہوتا ہے اور طرز بھی ایسی بن جاتی ہے کہ کئی آوازوں کا مل کر پڑھنا اچھا معلوم ہوتا ہے۔ میلادِ اکبر کی ایک خصوصیت مجھے لڑکپن میں بھی بہت پسند تھی، اگرچہ اس کا تجزیہ بڑے ہو کر، کر سکا۔ میلادِ اکبر میں نثری بیان، آنے والی حمدیہ یا نعتیہ نظم سے مل جاتا تھا، مثلاً "اتنی تو اعلیٰ شان اور اس پر یہ قرب اور احسان کہ ہم تو تمہاری رگِ گلو سے بھی نزدیک تر ہیں۔ اب کیا تلاش کریں اور کہاں ڈھونڈنے جائیں۔" اس کے فوراً بعد یہ حمد آ جاتی تھی۔

تجھے ڈھونڈتا تھا میں چار سو، تری شان جل جلالہ
تو ملا قریب رگِ گلو، تری شان جل جلالہ
تری یاد میں ہے کلی کلی، ہے چمن چمن ہوا لعلی
تو بسا ہے پھول میں ہو بہ ہو، تری شان جل جلالہ

نثر میں بھی شعر کا سا در و بست ہے...... اور پھر اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ جل جلالہ کا لاحقہ۔ آج لوگ اس صمد و غنی کے نام کے ساتھ کوئی تکریمی لقب، خطاب اور اظہار استعمال نہیں کرتے۔ ذاتِ باری ہمارے احترامی اظہار سے بے نیاز ہے مگر ہمیں تو بندگی کے آداب آنے چاہئیں...... سورۃ الفاتحہ ہمیں یہی درس دیتی ہے۔ میلاد کی محفلوں میں اس کا کتنا لحاظ کیا جاتا تھا۔ اور اس کا تعلق میلاد ناموں سے تھا۔ ہماری خواتین زیادہ پڑھی لکھی نہ تھیں، مگر وہ محبت کے قرینوں سے آگاہ تھیں اور:

ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

عربی کے تعظیمی ٹکڑوں اور کلمات کے مفہوم سے خوب واقف تھیں۔ جل جلالہ، ھو العلی، سبحان ربی الاعلیٰ، عم نوالہ، ھو الاوّل ھو الآخر، ھو الظاھر ھو الباطن ...... یہ کلمات میلاد کی محفلوں میں بار بار آتے تھے۔ انہیں صحیح طور پر ادا کیا جاتا اور سمجھا جاتا تھا۔

ان محفلوں میں درود کثرت سے پڑھا جاتا۔ حضور کی زندگی اور سیرت کے کسی پہلو اور واقعے کو بیان کرتے ہوئے بیان کرنے والی خاتون ذرا رکتی۔ ان کے اس وقفہ کو لڑکیاں بالیاں اور نعت پڑھنے والیاں خوب سمجھتی تھیں اور فضا میں یہ آواز بلند ہوتی۔

پڑھو درود پڑھو، عاشقو! درود پڑھو

درود سے کبھی غافل نہ ہو، درود پڑھو

درود ابراہیمی اور مسنون و ماثور درودوں کے بعد بھی اور درود اور نغمات پڑھے جاتے:

ہر درد کی دوا ہے صلِ علیٰ محمد

اور پھر درود کا رشتہ محفل سے جوڑ دیا جاتا۔ درود و سلام اور ذکرِ مصطفےٰ ﷺ کی یہ موجیں ایک دوسرے کے جلو میں بڑھتی جاتیں اور ہونٹوں کے ساحل سے نکل کر دل کی گہرائیوں سے اُترتی جاتیں۔

محمد مصطفیٰ صلِ علیٰ کی آج محفل ہے

حبیب کبریا، صلِ علیٰ کی آج محفل ہے

پڑھو صلِ علیٰ، صلِ علیٰ، صلِ علیٰ ہر دم

کہ محبوب خدا صلِ علیٰ کی آج محفل ہے

محفل کا اختتام ہمیشہ سلام اور دعا و مناجات پر ہوتا۔ ایک خاتون آنسوؤں سے بھیگی آواز میں اللہ کی بارگاہ میں یہ استغاثہ پیش کرتیں۔

آہ جاتی ہے فلک پر رحم لانے کے لیے

بادلو! ہٹ جاؤ دے دو راہ جانے کے لیے

اس وقت یہ علم نہ تھا کہ یہ مناجات آغا حشر کاشمیری کی لکھی ہوئی ہے۔ مدتوں بعد یہ خبر ہوئی۔ اس مناجات میں جو ڈرامائی کیفیت ہے وہ خود اپنے شاعر کی نشان دہی کر رہی ہے۔

کئی سلام ان محفلوں میں پڑھے جاتے۔ ایک تو وہ مقبول سلام جو عربی بھی اور اردو بھی۔

یا نبی سلام علیک = یا رسول سلام علیک

حفیظ جالندھری کا سلام مردانہ جلسوں اور میلادوں میں تو اکثر پڑھا جاتا:

سلام اے آمنہ کے لعل اے محبوب سبحانی

مگر خواتین کی محفلوں میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا سلام سب سے زیادہ مقبول تھا۔ ہمارا گھرانا نہ دیوبندی تھا نہ بریلوی، لیکن مَیں سمجھتا ہوں کہ ہمارے عقائد دیوبندیوں سے قریب تر تھے۔ مگر تصوف کی چادر سروں پر تنی ہوئی تھی اور ہمارے ہاں بحث و تکرار کی گنجائش نہ تھی۔ کسی سے اس کے عقیدے کی بنا پر کوئی پُرسش نہ تھی۔ خواتین میں خاص طور پر نزاعی مسائل سے آگاہی اور دلچسپی نہ تھی۔ اللہ کی وحدت، کبریائی اور لاشریک ہونے پر زور، رسول اللہ ﷺ کی محبت، ان کی شفاعت پر یقین، ان کی سُنّت کو اپنانے کا جذبہ، صحابۂ کرام کے واقعات کو سننا سنانا، اُمہات المومنین اور بنات طاہرات سے وابستگی، محرم میں ذکرِ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایصالِ ثواب کے لیے عزیزوں اور غریبوں میں قبولی اور شربت کی تقسیم۔ ذکر ہو رہا تھا مولانا احمد رضا خاں کے سلام کا۔ ہمارے گھرانے کی زنانہ محافلِ میلاد میں یہ سلام ہی پڑھا جاتا۔ والدہ مرحوم کو مسدسِ حالی کے نعتیہ بند اور یہ سلام بے حد عزیز تھا۔ سردیوں میں جب ان پر تنفس کے دورے پڑتے تو وہ اکثر حالی کی مسدس کے بند پڑھتیں۔

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والے

ان کی آواز سُن کر محسوس ہوتا کہ بارش کی نرم نرم پھوار درختوں کے پتوں کو بھگو رہی ہے۔ یا ان کے ہونٹوں سے سرورِ کائنات ﷺ کی رحمت، ہدایت اور شفاعت کا نغمہ پھوٹ نکلا ہے۔ تنفس کی وجہ سے آواز کا زیر و بم، چشمے کا سرور بن جاتا۔

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام — شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام
شہرِ یارِ حرم! تاج دارِ حرم — نو بہارِ شفاعت پہ لاکھوں سلام

اور پھر ان اشعار کی درماں صفتی نظروں کے سامنے آجاتی۔ باجی کی سانس آہستہ آہستہ معمول پر آجاتی۔ دورہ ختم ہو جاتا۔ غبار آلودہ فضا نکھر جاتی اور ذکرِ رسولِ اعظم ﷺ سے ان کی ایک اُمتی کنیز اپنی تکلیف کے حلقے کو توڑ کر حصارِ عافیت میں آجاتی۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب کا سلام بہت طویل ہے اور باجی مرحومہ کو اس کے بیشتر حصے پسند تھے۔ وہ ہر محفل کے لیے اس کے مختلف اشعار کا انتخاب کرتیں۔ بچیوں سے سنتیں، اور ان کا تلفظ درست کراتیں۔ باجی کے الفاظ تو یاد نہیں مگر اس سلام کے بارے میں وہ جو کچھ کہتیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ سلام رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ اور سیرتِ مبارکہ کے بہت سے پہلوؤں کا احاطہ کر لیتا ہے، اس میں

صحابۂ کرام اور اُمہات المومنین کا ذکر ایسے مصورانہ کمال کے ساتھ کیا گیا ہے کہ ہمیں سرکار کی محفل میں پہنچا دیتا ہے۔ اس محفل کو ذہنی طور پر دیکھے سمجھے بغیر نبی اکرم ﷺ کی شفقت کو کون سمجھ سکتا ہے؟ آج سلام کے اشعار پڑھتا ہوں تو باجی کے اس تنقیدی شعور پر حیرت ہوتی ہے جس کا منبع رسول اللہ ﷺ کی محبت تھی۔ احمد رضا خاں صاحب علیہ الرحمۃ کا سلام نعت کا گل دستہ نہیں بلکہ باغ ہے اور اُمت کے اتحاد کی ایک دستاویز ہے (اس بات پر قلق ہوتا ہے کہ ہم اپنے اکابر کا نام لے کر اور ان کا حوالہ دے کر کیسے پارہ پارہ ہوگئے ہیں)۔ تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ یہ ایک باغ ہے۔ یہ گنج سراپا ہے، یہ روشِ ذکر فصاحت و بلاغت رسولِ عربی ہے، یہ تختہ اصحابِ کرام ہے۔ یہ ''محلات'' اُمہات المومنین ہیں اور اسی باغ میں یہ قصرِ اہلِ بیت ہے۔ اردو میں بڑے خوب صورت سلام موجود ہیں لیکن کسی سلام میں مولانا احمد رضا خاں کے سلام کی جامعیت نہیں ...... اس سلام میں دل اور دماغ دونوں ختم الرسل، امام الانبیا ﷺ کے آستانے پر سرِ نیاز خم کیے حاضر ہیں۔

علوئے مرتبہ حضرت ابوالقاسم محمد (ﷺ) کو ان اشعار کے آئینے میں دیکھیے:

نقطۂ سرِّ وحدت پہ یکتا درود ‏ ‏ ‏ مرکزِ دورِ کثرت پہ لاکھوں سلام

صاحبِ رجعتِ شمس و شق القمر ‏ ‏ ‏ نائبِ دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام

سرِّ غیب ہدایت پہ غیبی درود ‏ ‏ ‏ عطرِ جیبِ نہایت پہ لاکھوں سلام

ان اشعار میں درود کی صفات پر غور فرمایئے سرِّ وحدت کی نسبت سے یکتا درود، سرِّ غیب کی نسبت اور رعایت سے غیبی درود ...... ان اشعار میں صفت، استعارہ بن گئی ہے اور استعارہ شاعری کی معراج ہے۔

اس سلام پر ایک مستقل مضمون لکھنے کی تمنا ہے۔ اس وقت اور زیادہ تفصیل میں جانے سے میں اپنے موضوع سے ہٹ جاؤں گا۔ بس ایک شعر سُنانے کی اجازت چاہتا ہوں۔ یہ شعر بچپن سے میرے ساتھ ہے۔ باجی خود یہ شعر پڑھتیں یا محفل میں کوئی اور پڑھتا تو آنسو اُن کی آنکھوں سے رواں ہوجاتے اور میں آج بھی گریہ کے بغیر یہ شعر نہیں پڑھ سکتا ...... یہ شعر حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی سیرت اور زندگی کا آئینہ خانہ ہے۔ جدھر دیکھیے چراغاں ہے۔ یہ شعر حدیثِ دل بھی اور سورۃ النور کی تفسیر اور خلاصہ بھی ہے:

بنتِ صدیق، آرامِ جانِ نبی ‏ ‏ ‏ اُس حریمِ برأت پہ لاکھوں سلام

حریم برأت کی ترکیب پر ہماری زبان اور شاعری، دونوں کا ناز بجا ہے۔ درست کہ اس ترکیب کے دونوں جزو عربی زبان کے ہیں مگر اس بات پر اصرار کروں گا کہ یہ ترکیب اردو زبان کی ہے۔

(بشکریہ: مجلہ ''نعت رنگ'' نمبر ۱۵)

مرید اعلیٰ حضرت

صوفی عزیز احمد بریلوی

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی بریلی شریف

مجدد اسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے خلفاء کی شان وعظمت کا تو کہنا ہی کیا لیکن اس بڑی برکتوں والی ذات امام احمد رضا کے مریدین بھی کم اہمیت کے حامل نہیں ہیں کہ ان فیروز بختوں نے مجدد اسلام کے ہاتھوں میں ہاتھ دے کر اپنے سینہ و دل، فکر ونظر اور عقیدہ و ایمان سے لے کر اپنی زیست کی ہر شاہراہ کو منور و تاباں کر لیا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے ایسے ہی روشن نصیب مریدوں میں ایک درخشاں نام صوفی عزیز احمد صاحب بریلوی علیہ الرحمہ کا بھی ہے۔

ابتدائی حالات : صوفی عزیز احمد صاحب کی صحیح تاریخ ولادت تو معلوم نہ ہو سکی البتہ آپ کے خلفِ اکبر صوفی اقبال احمد صاحب کے بقول وہ سرکار مفتی اعظم ہند علامہ مصطفیٰ رضا خاں بریلوی قدس سرہ العزیز سے دو تین سال چھوٹے تھے، اس لحاظ سے ان کی سن پیدائش ۱۸۹۳ء یا ۱۸۹۴ء ہے۔

صوفی صاحب کو ان کے والدین کی ہی موجودگی میں ان کی پھوپھی نے پالا تھا۔ گیارہ سال کی عمر سے کارپینٹری اسکول (Carpentary School)، بریلی میں کارپینٹری کا کام سیکھنا شروع کیا اور بعد میں یہیں ڈیمانسٹریٹر ہو گئے۔ پورے ۲۸ سال تک آپ کارپینٹری اسکول سے جڑے رہے۔

مولانا جمیل الرحمٰن خان کی شاگردی : کارپینٹری اسکول سے وابستگی ہی کے دوران صوفی عزیز احمد صاحب، حضرت مولانا جمیل الرحمٰن خان رحمۃ اللہ علیہ (بریلی کے مشہور مولود خواں، امام احمد رضا کے مرید اور شاگرد) کے شاگرد ہو گئے۔ استاد و شاگرد کو ایک دوسرے سے بڑی محبت تھی۔ صوفی صاحب کام سے واپس آ کر زیادہ تر وقت مولانا جمیل الرحمٰن خاں صاحب ہی کی خدمت میں گزارتے تھے۔ انہی کے ساتھ محافل میں میلاد خوانی اور جلسوں میں تقریر کے لیے بھی جاتے اور انہیں سے عربی، فارسی، نیز مولود خوانی اور نعت گوئی کا درس بھی لیتے تھے۔ مولانا جمیل الرحمٰن خاں علیہ الرحمہ تعلیم و تربیت کے معاملے میں بڑی سختی برتتے تھے۔

"ایک بار کا واقعہ ہے کہ مولانا جمیل الرحمٰن خاں صاحب محرم الحرام کے جلسوں میں شرکت کے لیے بمبئی تشریف لے گئے۔ فرصت کے دوران صوفی صاحب نے ان کی

پوری بیاض نقل کر ڈالی۔ جب مولانا صاحب بمبئی سے واپس آئے تو اسے ان کی خدمت میں پیش کیا۔ مولانا صاحب نے اسے دیکھے بغیر پھاڑ ڈالا۔ صوفی صاحب کو یہ دیکھ کر بڑا دکھ ہوا۔ صوفی صاحب کو رنجیدہ دیکھ کر مولانا صاحب نے فرمایا: تم نے تو پوری بیاض مستند سمجھ کر نقل کی ہوگی مگر تمہیں کیا معلوم کہ کون سا کلام ان میں مستند ہے اور کون سا نہیں۔ انہیں میں سرکار اعلیٰ حضرت اور حضور حجۃ الاسلام (امام احمد رضا کے خلف اکبر علامہ حامد رضا خاں) قدس سرہما کے سامنے پڑھتا تھا۔ انہیں سرکاروں کی اصلاحات کے مطابق مجھے بیاض میں کچھ مقامات پر ترمیم و اضافہ کرنا تھا۔"

اس طرح مولانا جمیل الرحمٰن خان رحمۃ اللہ علیہ نے صوفی صاحب کو نعت خوانی و نعت گوئی کے آداب و اطوار سکھائے۔ عام طور سے مولانا جمیل الرحمٰن خاں صاحب صوفی صاحب کے کاموں، ان کی مولود خوانی اور تقریروں سے بہت خوش رہتے تھے اور ہر ہر قدم پر ان کی اصلاح اور حوصلہ افزائی بھی کرتے تھے۔

بیعت و خلافت: صوفی عزیز احمد صاحب اپنے استاد مولانا جمیل الرحمٰن خان صاحب کے ہمراہ جا کر ۱۳ رسال کی عمر میں اعلیٰ حضرت سے مرید ہو گئے۔ آپ کو دوبارہ امام احمد رضا نے اس وقت بھی مرید فرمایا جب وہ مولانا جمیل الرحمٰن صاحب کے دوسرے شاگردوں کو لے کر ان سے بیعت کرانے کے لیے گئے۔ یہ امام احمد رضا کی آخری عمر کا واقعہ ہے اس وقت صوفی صاحب ۲۵-۲۶ سال کے تھے۔

چند ماہ بعد یعنی امام احمد رضا کے وصال سے کچھ ماہ قبل جب مولانا جمیل الرحمٰن صاحب اپنے کچھ اور شاگردوں کو اعلیٰ حضرت سے بیعت کرانے کے لیے گئے تو صوفی صاحب بھی ہمراہ تھے۔ سب کو بیعت فرمانے کے بعد اعلیٰ حضرت نے پوچھا: عزیز احمد کہاں ہیں؟ صوفی صاحب نے عرض کیا: حضور غلام حاضر ہے اور اسے سرکار سے دوبار شرف بیعت حاصل ہو چکا ہے۔ یہ سن کر بھی اعلیٰ حضرت نے صوفی صاحب کو تیسری بار بھی بیعت فرمایا۔

الور کے ایک جلسہ میں صوفی عزیز احمد صاحب کو اعلیٰ حضرت کے خلف اکبر حجۃ الاسلام حضرت علامہ حامد رضا خاں نور اللہ مرقدہ نے خلافت و اجازت مرحمت فرمائی۔

الور (راجستھان) میں ایک عظیم الشان جلسے کا انعقاد کیا گیا تھا جس میں حجۃ الاسلام، صدر الافاضل حضرت علامہ سید نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہما اور ساتھ میں صوفی عزیز احمد صاحب علیہ الرحمہ بھی مدعو تھے۔ پہلی تقریر صوفی صاحب کی ہوئی۔ چند علما کی تقریروں کے بعد صدر الافاضل اور پھر آخری تقریر حجۃ الاسلام نے کی اور پھر اسی جلسے میں علماے کرام اور ہزاروں مسلمانانِ اہل سنت کے سامنے حضرت حجۃ الاسلام نے صوفی صاحب کو خلافت و اجازت مرحمت فرمائی اور ان کی دستار بندی کی۔

ملازمت سے سبکدوشی: ۱۹۳۲ء میں حضرت صوفی عزیز احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خود کو کارپینٹری اسکول کی ملازمت سے علیحدہ کر کے خدمتِ دین و خدمتِ خلق کے لیے وقف کر دیا۔

صوفی عزیز احمد صاحب سند یافتہ طبیب بھی تھے اور ہومیو پیتھک علاج میں بھی آپ کو کافی تجربہ تھا۔ مولود خوانی میں تو آپ طاق ہو ہی گئے تھے نیز نقوش و تعویذات وغیرہ کی اجازت آپ کو حجۃ الاسلام، مفتی اعظم ہند اور مولانا جمیل الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہم سے تھی۔ اس طرح آپ ان تمام امور میں مصروف رہنے لگے۔

میلاد خوانی اور وعظ: مولانا جمیل الرحمٰن خان قدس سرہ (م ۱۹۲۴ء) کے بعد صوفی عزیز احمد صاحب جیسا میلاد خواں آج تک کوئی دوسرا نظر نہیں آیا۔ آپ کو اعلیٰ حضرت، ان کے دونوں صاحبزادگان حجۃ الاسلام و مفتیٔ اعظم کے سامنے میلاد پڑھنے اور تقریر کرنے کا شرف حاصل رہا ہے۔

حضور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کے گھر کی ۱۲؍ ربیع الاوّل شریف کی محفل میلاد جس میں خود امام احمد رضا تقریر فرمایا کرتے تھے، اس تاریخی محفلِ میلاد میں اپنی حیات تک صوفی عزیز احمد صاحب ہی کو خصوصی میلاد خواں اور مقرر کا شرف حاصل رہا ہے۔

آپ کی میلاد خوانی سے متاثر ہو کر علمائے کرام نے آپ کو "مداح رسول" کا خطاب دیا تھا۔

پورے ملک میں صوفی صاحب کی مولود خوانی کی دھوم تھی۔ بمبئی میں تو آپ مہینوں مصروف رہا کرتے تھے۔ "شاہنامہ اسلام" پڑھنے میں تو آپ کا جواب نہیں تھا۔ "شاہنامہ" کے مصنف حفیظ جالندھری نے خود اس بات کا اعتراف کیا کہ: "شاہنامہ" لکھا میں نے اور پڑھنے کا حق ادا کیا صوفی عزیز احمد نے۔ اسی اعتراف کے حوالے سے یہ مقولہ مشہور۔ "لکھا حفیظ نے پڑھا عزیز نے"۔

امام احمد رضا کے "حدائق بخشش" کے تو آپ حافظ تھے۔ اشعار رضا کی ایسی شرح کرتے کہ علما بھی اش اش کر اٹھتے۔ آپ امام احمد رضا، برادرِ امام مولانا حسن رضا، صاحبزادگانِ امام احمد رضا حجۃ الاسلام و مفتیٔ اعظم اور اپنے استاد مولانا جمیل الرحمٰن خان (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم) کے کلام پڑھتے تھے اور کبھی کبھی اپنا لکھا ہوا کلام بھی سناتے۔

صوفی عزیز احمد صاحب بہت اچھے مقرر اور واعظ بھی تھے۔ صوبہ راجستھان، صوبہ مدھیہ پردیش اور شہر بمبئی میں آپ کی تقریروں کی بڑی دھوم رہا کرتی تھی۔ کبھی کبھی دوران جلسہ غیر مسلمین آپ کے ہاتھوں پر مشرف با اسلام بھی ہوتے تھے۔ خانوادۂ امام احمد رضا کے شاہزادگان سے تو آپ کے وعظ و تقریر کو مستند ہونے کی سند مل گئی تھی، حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمہ بھی آپ کی تقاریر سے بہت متاثر تھے۔

بنارس "سنی کانفرنس" کے موقع پر حضرت صدر الافاضل وہیں مصروف تھے۔ ادھر ان کے شہر مراد آباد میں صوفی عزیز احمد صاحب کے تقریری پروگرام چل رہے تھے۔ صدر الافاضل جب بنارس سے مراد آباد

واپس تشریف لائے تو معلوم ہوا کہ صوفی صاحب ۲۴ دنوں سے پروگرام کر رہے ہیں۔ اس پر آپ نے اپنے خصوصی احباب سے پوچھا: کیا تم لوگوں نے صوفی صاحب کے جلسے کرائے۔ پھر فرمایا: اگر صوفی صاحب کے جلسوں میں اساتذہ شریک نہ ہوں تو کم از کم طلبہ کو تو ضرور جانا چاہیے تا کہ انہیں تقریر کا ڈھنگ آ جائے۔

نقوش و طغرے جات اور طباعت و اشاعت: صوفی عزیز احمد صاحب نے نقوش و تعویذات نیز تصانیف امام احمد رضا اور دوسرے علمائے اہل سنت کی طباعت و اشاعت میں اہم کردار ادا کیا۔

نقوش والی انگشتری، تعویذات و طغرے جات کو سنّی حلقوں میں صوفی صاحب ہی نے متعارف کرایا۔ عوام کو ان سے بڑے فوائد حاصل ہوئے اور عامۃ المسلمین کا بریلی شریف کی طرف رجحان بڑھا۔ نقش والی انگشتری آج ایک طرح سے سُنّیت کی پہچان بن گئی ہے۔ اس کو بھی آپ ہی نے فروغ دیا۔ کندہ شدہ نقوش بالخصوص تحفۂ نوری (استخراج کردہ سیدنا مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ) نقش سیفی، تکسیر جنہ، محیط الاسرار وغیرہ کی ابتداء صوفی صاحب ہی نے کی۔ سرکار مفتیٔ اعظم نے تحفۂ نوری کا نقش اور طغرہ استخراج فرما کر پہلی بار صوفی صاحب ہی کو دیا تھا۔

''شبستانِ رضا'' ہر چہار حصص (مرتبہ۔ صوفی اقبال احمد صاحب ابن صوفی عزیز احمد صاحب علیہ الرحمہ) میں بیشتر طبی نسخے و چٹکلے صوفی صاحب ہی کے ہیں۔ صوفی صاحب کو علم الاعداد میں بھی اچھی مہارت تھی۔ ''شبستانِ رضا'' حصہ چہارم میں اللہ تعالیٰ اور سیدنا محمد ﷺ کے حوالے سے مختصر سے مضمون میں دونوں کے اسماء کی مناسبت سے صوفی صاحب قبلہ نے قرب و محبت کا جو حسین اور تقدیسی جلوہ دکھایا ہے وہ بہت خوب ہے۔ لکھتے ہیں: ''طالب و مطلوب ملتے ہیں، غنچہ ہائے وصل کھلتے ہیں۔ اگر ایک طرف یکتائی و وحدت کی کلیاں کھل کھلا رہی ہیں تو دوسری طرف کثرت و جلوت کے پھول مہک رہے ہیں'' (ص ۸)

صوفی صاحب نے ان اُمور کے فروغ کے لیے ''رضوی کتب خانہ'' قائم کیا تھا جو آج بھی مشہور ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی تصانیف کی اشاعت کے لیے ان کے مرید خاص اور پیشکار حضرت سید ایوب علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دولت کدہ ''رضوی منزل'' بہاری پور، بریلی شریف میں ''رضوی کتب خانہ'' قائم فرمایا تھا۔ پاکستان بننے کے بعد وہ وہاں ہجرت کر گئے۔ بعد میں صوفی عزیز احمد صاحب نے ۱۹۴۸ء میں اسی نام سے اپنے مکان واقع بازار صندل خاں، بریلی شریف میں ''رضوی کتب خانہ'' قائم فرمایا۔ امام احمد رضا کے کتب کی اشاعت میں آپ نے پہل کی۔ آپ نے خصوصیت کے ساتھ امام احمد رضا کی حسب ذیل کتب شائع کیں: حدائق بخشش اوّل و دوّم، الامن والعلیٰ، الکوکبۃ الشہابیہ، حسام الحرمین، سبحٰن السبوح، اور قادیانی و ندوہ کے ردّ میں امام احمد رضا کے متعدد رسائل آپ ہی کے اہتمام میں شائع ہوئے۔ بہار شریعت از صدر الشریعہ کے آپ نے کئی ایڈیشن چھاپے۔ امام احمد رضا کے برادر اوسط

استاد زمن علامہ حسن رضا خاں حسن قدس سرہ کی تصانیف "نگارستانِ لطافت (منظوم) اور "دین حسن" بھی رضوی کتب خانہ سے ہی شائع ہوئے۔

"سنی اور وہابی کی پہچان" کے تعلق سے صوفی عزیز احمد صاحب علیہ الرحمہ کے فرزند اکبر صوفی اقبال احمد صاحب (مرید و خلیفہ سرکار مفتی اعظم علیہ الرحمہ) نے پہلی بار "حق و باطل کو پہچانو" نام سے دو مفید پوسٹر شائع کیے۔ ایک دیوبندیہ کے رد میں اور دوسرا جماعت اسلامی کے رد میں۔ آپ نے ماہنامہ "نوری کرن" کا اجرا بھی کیا جس کی ادارت صوفی اقبال احمد صاحب کے ذمہ تھی۔ اس رسالہ نے مسلک اعلیٰ حضرت کی اشاعت میں اہم رول ادا کیا۔ اس رسالہ میں اکابر علما و مشائخ جیسے حجۃ الاسلام، مفتی اعظم ہند، صدرالافاضل، محدث اعظم ہند، علامہ سید محمد میاں کچھوچھوی، صدرالشریعہ، محدث اعظم پاکستان علامہ سردار احمد گورداسپوری وغیرہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے مستند حالات و واقعات بھی شائع ہوئے۔

حج و زیارت: صوفی عزیز احمد صاحب نے ۱۹۴۸ء میں حج و زیارت کا شرف حاصل کیا۔ اسی سال حضور صدرالشریعہ بھی حج و زیارت کو تشریف لے آئے تھے۔ بمبئی تک ان کا اور آپ کا ساتھ تھا اسی موقع پر حضور صدرالشریعہ کا بمبئی میں وصال ہوگیا تھا۔

حلقۂ مریدین: صوفی عزیز احمد صاحب کے مریدین یوپی، مدھیہ پردیش، راجستھان، مہاراشٹر اور آندھرا پردیش وغیرہ صوبوں میں اچھی تعداد میں تھے۔ آج بھی آپ کے مریدین کا اچھا حلقہ موجود ہے۔

حاضر جوابی اور مناظرہ: صوفی عزیز احمد صاحب بہت ہی حاضر جواب تھے۔ آپ نے بدمذاہب سے مناظرے بھی کیے۔ آپ کی حاضر جوابی میں بذلہ سنجی بھی ہوتی تھی۔ مثلاً: ایک بار آپ کے والد ماجد نے پوچھا: اولاد کو والدین سے محبت کیوں نہیں ہوتی؟ (چونکہ صوفی صاحب پھوپھی کے یہاں پلے تھے لہٰذا اس طرح کا سوال آپ کے والد صاحب نے پوچھا تھا)۔ صوفی صاحب نے جواب دیا: چونکہ سیدنا آدم علیہ السلام بے ماں باپ کے پیدا ہوئے تھے لہٰذا اولاد کو والدین سے محبت نہیں ہوتی۔ (بروایت صوفی اقبال احمد صاحب)

ایک مناظرہ کا حال: ۱۹۵۵ء کا واقعہ ہے۔ مناظر اعظم حضرت علامہ حشمت علی خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ حج و زیارت کے لیے چلے گئے تھے۔ اتفاق سے بمبئی کے دوسرے بڑے علما بھی باہر ہی تھے۔ میدان خالی دیکھ کر ایک بدمذہب مولوی یونس بکھیر وی شیخی بگھارنے لگا کہ میرے خوف سے سنی مولوی فرار ہوگئے۔ سنی حضرات کو جب معلوم ہوا تو بریلی شریف سے صوفی عزیز احمد صاحب اور ان کے فرزند اکبر صوفی اقبال احمد صاحب کو بلوایا۔ ان لوگوں نے بکھیر وی کو للکارا مگر وہ سامنے نہیں آیا اور کہلواتا رہا کہ میں چھوٹے چھوٹے مولویوں سے کیا مناظرہ کروں؟ جب صوفی صاحب نے بکھیر وی کا رد کر کے اس کی درگت بنادی

اور پورے بمبئی میں اسے رسوا کر دیا تو دیوبندیوں نے اسے خود مناظرہ کے لیے مجبور کر دیا۔

یونس بکھیروی مناظرہ میں سامنے تو نہیں آیا البتہ اس نے ایک بچے کے ہاتھ صوفی صاحب کے پاس پرچہ بھیجا۔ صوفی اقبال احمد صاحب نے پرچے کے سوال کو پہلے عوام کو سنا دیا کہ یہ سوال لکھ کر آیا ہے۔ سوال تھا: ''سنی لوگ فاتحہ پڑھ کر خود کھانا وغیرہ کھا لیتے ہیں اور کہتے ہیں مردے کو پہنچ گے تو یہ کیسے ممکن ہے؟'' صوفی صاحب نے برجستہ جواب دیا: آپ حضرات ایک شہر سے دوسرے شہر منی آرڈر کرتے ہیں تو کیا وہی روپیہ وہاں پہنچتا ہے؟ نہیں! دوسرے شہر کے ڈاک خانے میں فارم پہنچ جاتا ہے اور روپیہ کی ادائیگی گورنمنٹ کی طرف سے کردی جاتی ہے۔ اسی طرح اللہ عزوجل فاتحہ کا ثواب بندوں کو عطا کر دیتا ہے۔ بکھیروی پردے کی آڑ میں دور کھڑا ہوا تھا۔ جواب سن کر خاموش رہا۔

صوفی اقبال احمد صاحب نے مزید وضاحت کے لیے خود ہی اعتراض قائم کیا: ''وہاں تو منی آرڈر فارم ہوتا ہے مگر یہاں یہ تحریر کون پیش کرتا ہے؟'' صوفی عزیز احمد صاحب نے فرمایا: ''فرشتے کراماً کاتبین بندے کے ہر اچھے اور برے عمل کو لکھتے رہتے ہیں۔ علاوہ ازیں اللہ خود عالم الغیب ہے لہٰذا اس عمل نیک کے طفیل وہ مردے کو ثواب عطا فرما دیتا ہے۔'' اس پر زوردار نعرے بلند ہوئے اور وہابی مولوی اور اس کے حمایتی بھاگ گئے۔

آخری روز مولوی یونس بکھیروی نے وسیلہ پر سوال کا پرچہ بھجوایا کہ ''غوث پاک کی دہائی دینے یا وسیلہ طلب کرنے کی کیا ضرورت ہے کیوں نہ خدا سے ہی سب کچھ کہا جائے۔''

صوفی عزیز احمد صاحب نے اس کا کوئی علمی جواب نہ دے کر فرمایا: ''آؤ تم اللہ کا نام لے کر آگ میں کودو اور میں غوث اعظم کا نام لے کر کودتا ہوں۔ دیکھوں کون محفوظ رہتا ہے۔'' اُدھر سے آنا کافی ہوتی رہی اور اُس نے کہا ممکن ہے تم کوئی روغن لگا کر آگ میں اترو۔ اس پر صوفی صاحب نے سنیوں کو آواز دی کہ ''بھائیو آؤ میرے ساتھ ساتھ کون کون نامِ غوث لے کر آگ میں کودتا ہے۔'' اس پر سارا مجمع تیار ہوگیا۔ تب صوفی صاحب نے فرمایا ''لے دیکھ کیا سب روغن لگا کر آئے ہیں اور میرے پاس اتنا روغن کہاں کہ سب کو مل دوں۔'' اس پر مجمع میں ہنسی کا فوارہ پھوٹ پڑا اور یونس بکھیروی مع ہمراہیوں کے بھاگ لیا۔

یہ جلسہ بہشتی محلہ، بمبئی میں ہوا تھا۔ اس کے راوی صوفی اقبال احمد صاحب ہیں۔

صوفی عزیز احمد صاحب پر خانوادۂ رضا کا کرم: صوفی عزیز احمد صاحب خانوادۂ رضا کے بچہ بچہ کا احترام کرتے تھے۔ افرادِ خانوادۂ رضا کو بھی آپ سے محبت تھی۔ وصالِ امام احمد رضا کے بعد عرس رضوی میں اور بعدہٗ حجۃ الاسلام اور مفتیٔ اعظم کے اعراس میں بھی آپ ہی میلاد پڑھتے تھے۔ مفتیٔ اعظم آپ کو اپنے ''منبر کی زینت'' کہتے تھے۔

۱۹۶۳ء میں صوفی عزیز احمد صاحب کے پیٹ کا آپریشن ہوا۔ اتفاق سے آپریشن کے ٹانکے پھٹ گئے اور صوفی صاحب خون سے لت پت ہوگئے۔ اسپتال میں بھرتی کیے گئے۔ سرکار مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ بھی انہیں دیکھنے کے لیے گئے۔ اس دن پوری رات مفتیٔ اعظم اضطراب کے عالم میں ٹہل ٹہل کر کچھ پڑھتے رہے۔ آپ کی اہلیہ محترمہ (پیرانی اماں۔ چھوبی صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا) نے سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ صوفی عزیز احمد صاحب کی وجہ سے پریشان ہوں۔ پھر فرمایا: کیا میرے منبر کی زینت ختم ہو جائے گی۔ تھوڑی دیر بعد فرمایا۔ نہیں! انشاء اللہ میرے منبر کی زینت برقرار رہے گی۔

نبیرانِ اعلیٰ حضرت علامہ ریحان رضا خاں علیہ الرحمہ اور مفتی اختر رضا خاں صاحب بھی صوفی عزیز احمد کی بڑی قدر کرتے تھے۔

صوفی عزیز احمد صاحب کی تصانیف: صوفی عزیز احمد صاحب "نوری کرن" میں مضامین بھی لکھتے تھے اور کبھی کبھی اداریہ بھی رقم فرماتے تھے۔ آپ کو تصنیف و تالیف سے بھی دلچسپی تھی۔ آپ کی تحریروں میں بد مذاہب کا رد بھی خوب ملتا ہے۔

آپ کی مندرجہ ذیل تصنیفات و تالیفات قابل ذکر ہیں: ۱۔ اصلاح تقویۃ الایمان، ۲۔ طیبہ کا چاند، ۳۔ بے سایہ سائبانِ عالم، ۴۔ قبر پر اذان دینے کے فوائد، ۵۔ تحفہ مشتاق (منظوم)

شاعری: صوفی عزیز احمد صاحب سخن شناسی و سخن فہم ہی نہیں تھے سخن ور بھی تھے۔ اگر آپ کی نعتوں اور منقبتوں نیز قصائد وغیرہ کو جمع کیا جائے تو اچھا خاصا دیوان مرتب ہو سکتا ہے۔

بطور نمونہ چند اشعار پیش ہیں:۔

ذرا جلوہ دکھا دو سید ابرار مدفن میں
تڑپتا ہے تمہارا طالب دیدار مدفن میں

مدینے کی زیارت کی تمنا گر نہیں نکلی
کھٹکتا ہی رہے گا حشر تک یہ خار مدفن میں

نبی کی نعت میں گوہر فشانی دیکھتے جاؤ
مرے اسلام کی روشن نشانی دیکھتے جاؤ

خدا فرمائے اُدنُ مِنّی ان کی شان تو دیکھو
ادھر موسیٰ کے حق میں لن ترانی دیکھتے جاؤ

وصال: صوفی عزیز احمد صاحب: ۱۴؍ اکتوبر ۱۹۸۵ء بوقت صبح ۸ بج کر ۴۰؍ منٹ پر راہیٔ ملک عدم ہوئے۔ بازار صندل خاں (گھر کے پڑوس میں) تکیہ حمایت شاہ میں مدفون ہوئے۔

آپ کے صاحبزادگان میں صوفی اقبال احمد صاحب (عمر لگ بھگ ۷۵؍ سال)، محمد میاں بقید حیات ہیں۔ دو لڑکیوں میں ایک صاحبہ فوت ہو چکی ہیں۔

نبی کا نور دیکھو خدا کے نور کے بدلے
تو آنکھیں شمع ہو جائیں تری کافور کے بدلے

وہ عالی ظرف تھے جو کھال اپنی کھینچ کر دیدی
بہت مشکل ہے چڑھنا دار پر منصور کے بدلے

عزیزؔ قادری کی ہے تمنا بعد مرنے کے
ملے خاکِ درِ احمد رضا کافور کے بدلے

بائبل اور اُس کی ایک وَرس (Verse) پر سَرسری نظر

تحریر: خورشید احمد سعیدی، ایم اے تقابلِ ادیان، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد

Email: khursheedsaeedi@hotmail.com

بائبل عیسائیوں (Christians) کی مذہبی کتاب ہے۔ اُن کا یقین ہے کہ اس کتاب کا پیغام پوری دُنیا کے انسانوں کے لیے ہے اس لیے وہ اس کتاب یا اس کے بعض حصّوں کو ہر ممکن طریقے سے عوام الناس تک پہنچانے میں شب و روز مشغول بھی رہتے ہیں۔ اس کتاب کے لیے رات دن کام کرنے والے دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ کتاب نہ صرف کلامِ خدا ہے بلکہ محفوظ کلامِ خُدا ہے۔ آئندہ سطور میں اُن کے اِس دعوے کی حقیقت کا ایک سرسری جائزہ پیش کیا جائے گا۔ اس جائزے کے دو حصّے ہیں پہلے حصہ میں بائبل نام کی ابتداء، بائبل کیا ہے؟، مصنفینِ بائبل کا کردار، موجودہ توراۃ و انجیل کی تشکیلِ نو کا طریقۂ کار، یورپی معاشرے پر بائبل کے اثرات اور جدید بائبلوں کی وجہ سے عیسائیوں کے لاتعداد فرقے وغیرہ کا سرسری سا ذکر شامل ہے جبکہ دوسرے حصہ میں متی کی انجیل کے چھٹے باب کی تیرہویں وَرس (Verse) کی مدد سے مختلف بائبلوں اور ان کے متون (Texts) کے تقابلی جائزے سے تحریف کے شواہد پیش کیے جائیں گے۔

بائبل نام کی ابتداء:

بائبل جن کتابوں پر مشتمل ہے انہیں تحریری شکل دینے کا کام کم و بیش ایک ہزار سال قبل مسیح شروع ہوگیا تھا لیکن ان کتابوں کو آئندہ نسلوں تک متن کی کسی تبدیلی کے بغیر پہنچانے کا اہتمام نہ کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ بائبل کو پانچویں صدی عیسوی سے پہلے کے عیسائی نہیں جانتے تھے کیونکہ بائبل کو موجودہ شکل دینا اور اسے بائبل کہنا پانچویں صدی کے بعد شروع کیا گیا۔ جیمز پی۔ بوئڈ (James P. Boyd) اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

Bi'ble (*the book*). The term applied, not further back than the fifth century, to that collection of *biblia*, or holy books, which comprises the Old and New Testaments.(1)

ترجمہ: ''عہد نامہ قدیم اور جدید میں شامل مقدس کتابوں کو بائبل کہنے کی اصطلاح پانچویں صدی سے پہلے نہیں ملتی۔''

یہ بیان واضح کر دیتا ہے کہ یا تو پانچویں صدی سے پہلے بائبل تھی ہی نہیں اور اگر موجود تھی تو پھر موجودہ صورت میں نہیں تھی، نام بھی اور، متن بھی اور، اس کے مندرجات اور مشمولات کی تفصیل و

ترتیب وغیرہ بھی۔ ثابت یہ ہوا کہ بائبل میں شامل کی گئی کُتُب مقدسہ کا متن قابلِ اعتماد تواتر (Unquestionable Continuity) سے ہم تک نہیں پہنچایا گیا حالانکہ قابلِ اعتماد تواتر کسی بھی کتاب کی صحت کی اوّلین دلیل ہوتی ہے۔ اگر یہ مفقود ہے تو پھر صحتِ کتاب بھی یقیناً مشکوک ہو جائے گی۔ کیا مشکوک بنیادوں پر ایمان و اعمال جیسے زندگی کے انتہائی اہم اُمور کی عمارت کھڑی کرنا کسی دیانت دار انسان کو زیب دیتا ہے؟ دُنیا تو آخرت کی کھیتی ہے۔ نا قابلِ اعتماد اساس پر انسان کس طرح کل قیامت کے دن یقینی کامیابی کی امید رکھ سکتا ہے؟

بائبل کیا ہے؟ :

یہ ایک بڑا اہم اور دلچسپ سوال ہے۔ ایک عام طالب علم جب اس کا جواب تلاش کرتا ہے تو ایسے عجیب قسم کے جوابات پاتا ہے کہ یا تو پریشان ہو جاتا ہے یا پھر ہنستا رہ جاتا ہے بالخصوص جب ایک جواب بائبل کے کسی مغربی عالم کی طرف سے آیا ہو اور دوسرا کسی مشرقی پادری کی جانب سے۔ اس سلسلے میں ہم صرف دو مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں۔

ایک مغربی عالم کا جواب :

بائبل کیا ہے؟ مشہور برطانوی یونیورسٹی کیمبرج کے ایک کالج میں استاد میکنٹاش (A. A. Macintosh) نے جدید تحقیقات کی روشنی میں اس کا جواب یہ دیا ہے:

"So what is the Bible?' Clearly we cannot give an exhaustive answer by merely pointing to an actual copy of the bible which may happen to be on our bookshelf and saying, 'That is.' It would be no less absurd to point to even every English version of the bible, for they are but translations of older non-English bibles. And if we tried to point to those older non-English bibles, again we should be in difficulties, because some English bibles are translations of the Latin bible, and some of a mixture of the Hebrew and the Greek bibles.

The proper answer to the question, 'What is the Bible?', is that there is no such thing as THE BIBLE. Rather there are many bibles, and they are often very different from each other. All bibles are bibles of particular nations, or else they are the bibles of particular international groups who profess the same religion. The bible of the Jews has become part of the bigger bible of the Christians; it is called by the Later the Old Testament,

and by the former, for whom it is the *whole* bible, *Miqra* (the Reading) or *Torah* (the Law; the full title is 'The Law, the Prophets and the Writings'). The bible of Roman Catholics is traditionally bigger than the bible of Protestants. The Old Testament in Greek was originally the bible of the Jews in Egypt and became part of the bible of the majority of early Christians, whereas the bible in Latin was never a bible of the Jews but only of the Western Church."[2]

ترجمہ: 'تو بائبل کیا ہے؟' صاف بات یہ ہے کہ ہم بائبل کے کسی ایسے نسخے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کوئی جامع جواب نہیں دے سکتے جو ہماری کتابوں کی الماری میں رکھا ہوا ہو، اور ہم کہیں کہ 'یہ ہے'۔ حتیٰ کہ بائبل کے ہر انگریزی ترجمے کی طرف اشارہ کرنا بھی لغویات سے کم نہ ہوگا کیونکہ وہ بذاتِ خود قدرے قدیم غیر انگریزی بائبلوں کے ترجمے ہیں اور اگر ہم نے ان قدرے قدیم غیر انگریزی تراجم کی طرف اشارہ کرنے کی کوشش کی تو ہم دوبارہ مشکلات اور مصائب کا شکار ہو جائیں گے کیونکہ کچھ انگریزی بائبلیں لاطینی بائبلوں کے ترجمے ہیں تو کچھ عبرانی اور یونانی بائبلوں کے آمیزے ہے۔

'بائبل کیا ہے؟' کے سوال کا معقول جواب یہ ہے کہ بائبل نام کی ایسی کوئی چیز ہے ہی نہیں بلکہ کئی بائبلیں ہیں جو ایک دوسرے سے اکثر مقامات پر بہت مختلف ہیں۔ تمام بائبلیں کسی نہ کسی خاص قوم کی بائبلیں ہیں یا وہ کسی نہ کسی بین الاقوامی گروہ کی بائبلیں ہیں جو ایک ہی مذہب کا اعتراف کرتے ہیں۔ یہودیوں کی بائبل عیسائیوں کی ضخیم بائبل کا ایک حصہ بن گئی ہے۔ عیسائی اسے عہد نامہ قدیم کہتے ہیں اور یہودی جن کے نزدیک یہ مکمل بائبل ہے، اسے 'مقرا' یا 'توراۃ' کہتے ہیں۔ رومن کیتھولک عیسائیوں کی بائبل پروٹسٹنٹ عیسائیوں کی بائبل سے روایتاً زیادہ ضخیم ہے۔ یونانی زبان میں عہد نامہ قدیم درحقیقت مصری یہودیوں کی بائبل تھی اور یہ ابتدائی عیسائیوں کی اکثریت کی بائبل کا حصہ بن گئی جبکہ لاطینی زبان میں بائبل یہودیوں کی بائبل کبھی نہیں رہی بلکہ یہ صرف مغربی کلیسا کی تھی۔"

یہ تو تھا بائبل کے ایک یورپی عالم کی تحقیق کا خلاصہ اور بائبل کے تعارف میں اُلجھن کا اظہار، یہ نئی معلومات اور جدید تحقیقات کا نچوڑ ہے جو بائبل کیا ہے؟ کے جواب میں پیش کیا جاتا ہے۔ اب آیئے بائبل کے ایک مشرقی عیسائی عالم کا جواب پڑھتے ہیں۔

ایک مشرقی عیسائی کا جواب:

پال ارنسٹ صاحب جن کا اصل نام لال دین تھا اور جو پاکستانی کیتھولک عیسائیوں کی اردو بائبل 'کلامِ مقدس' کی ترجمہ کمیٹی کے ایک ممبر بھی تھے، نے مذکورہ سوال کا جواب یہ دیا ہے: "بائبل مقدس کا معنی

پاک کتاب ہے اور اسکو پاک اس لیے کہتے ہیں کیونکہ یہ خُدا کی کتاب ہے۔ یہ خُدا کا کلام ہے۔" (۳)

اگر کوئی میکنٹاش اور پال ارنسٹ دونوں کے جوابات کا موازنہ کرے تو اسے بائبل کی اصلیت کا پتہ چل جائے گا، یہ بھی کہ اب ان لوگوں کے ہاں ایک ہی نام کے تحت کتنے کلامِ خدا بن چکے ہیں اور یہ کہ اُن کے متعلق مختلف عیسائیوں کا عقیدہ کیا سے کیا ہوگیا ہے۔ یہ سلسلہ جاری ہے۔

برصغیر پاک وہند میں بائبل کی اشاعت کا کارنامہ اُن یورپی پادریوں نے سرانجام دیا جو برطانیہ سے آنیوالی ایسٹ انڈیا کمپنی کے لیے اور اُس کے زیر سایہ کام کرتے تھے۔ اب آپ نے خود یورپی علما کا بائبل کے متعلق نقطۂ نظر ملاحظہ کیا۔ یہ اُن کی بڑی پریشانی اور حقیقی بے اطمینانی ظاہر کرتا ہے۔ اس سے ذہن میں یہ سوال آسکتا ہے کہ جہاں سے بائبل چلی تھی کیا وہاں اس کے متعلق اب واقعی اطمینان بڑھ رہا ہے یا پریشانی؟ اس سلسلے میں صورتِ حال کو جاننے کے لیے ہم صرف دو عیسائی علما کے اقوال پیش کرتے ہیں۔ رون روڈز (Ron Rhodes) برطانیہ میں عیسائیت کے تیز رفتار زوال کے متعلق اپنے دُکھ اور اسلام کی روز افزوں ترقی پر اپنی پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"Though there was only one mosque in England in 1945, there are now thousands. Hundreds of the buildings used for mosques were originally churches -- including the church that sent well-known Christian missionary William Carey to India." (4)

ترجمہ: "اگر چہ انگلینڈ میں ۱۹۴۵ء میں صرف ایک مسجد تھی مگر اب ہزاروں ہیں۔ وہ سینکڑوں عمارتیں جو اَب بحیثیت مسجد استعمال ہو رہی ہیں دراصل چرچ تھے.. ان میں وہ چرچ بھی شامل ہے جس نے مشہور مشنری ولیم کیری کو ہندوستان میں بھیجا تھا۔"

یہ تو تھی موجودہ بائبلوں کے قدیم گھر برطانیہ کی صورتحال، اب امریکہ میں عیسائیوں کے درمیان بائبل کے بارے میں آج جو بڑے عجیب وغریب اور انتہائی اہم سوالات اٹھائے جارہے ہیں اُن کے متعلق ڈاکٹر سیموئل گِپ (Dr. Samuel C. Gipp) صاحب کا یہ غم ملاحظہ کیجئے:

"THERE is a controversy raging today across America and around the world. Where is the Word of God? This is the most important question in life." (5)

ترجمہ: "آج کل امریکہ اور باقی دُنیا میں شدید تنازعات طوفان بن کر اُٹھ رہے ہیں کہ خُدا کا کلام کہاں ہے؟ یہ زندگی کا انتہائی اہم سوال ہے۔"

جہاں ایک طرف لوگ ایسے بنیادی اور انتہائی اہم سوالات اُٹھا رہے ہیں تو دوسری طرف بائبل سے محبت رکھنے والے ان کے جوابات دینے کی کوشش بھی کررہے ہیں لیکن یہ ساری کوششیں اطمینان کی بجائے

ان کی بے چینی اور یقین کی بجائے ان کے شکوک کو نمایاں کرتی ہیں کیونکہ وہ غیر مصدقہ معلومات پر مبنی ہیں۔ ڈاکٹر سیموئل گپ اس سوال پر اضطرابی کیفیت کے متعلق لکھتے ہیں:

"There are a multitude of answers to that question. They come in all shapes and sizes. Some say that we do not have the Word of God anywhere in this world. Others say that it is found in the Bible but it is only those portions that " speak" to the individual. Some say it lies hidden, locked up in the ancient languages in which it was originally written. Some say we have every word wrapped up in one volume. Still others say that our English translations, though reliable, are faulty at best. Where is the Word of God?" (6)

ترجمہ: "اِس سوال کے کثیر جوابات ہیں، یہ ہر شکل اور ہر سائز میں آرہے ہیں۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اس دُنیا میں کہیں بھی خُدا کا کلام نہیں رکھتے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ بائبل میں صرف اُن اجزاء میں پایا جاتا ہے جو اکیلے فرد کو مخاطب کرتے ہیں۔ کچھ کہتے ہیں کہ یہ پوشیدہ ہے اور اُن قدیم زبانوں میں مقفل ہے جن میں یہ دراصل لکھا گیا تھا۔ کچھ کہتے ہیں کہ اس کا ہر ہر لفظ ایک جلد میں ہمارے پاس ملفوف ہے۔ کچھ کا موقف یہ ہے کہ ہماری انگریزی بائبلیں جو اگرچہ قابل اعتماد ہیں، انتہائی ناقص ہیں۔ خُدا کا کلام کہاں ہے؟"

یہ ایسے جوابات ہیں جو آپس میں نہ صرف متضاد ہیں بلکہ تشکیک میں اضافہ کرتے ہیں۔ بائبل کے ماننے والے عوام الناس کو تو اس صورتحال کا شاید اتنا علم نہیں ہے مگر اس سوال پر علماے عیسائیت میں گذشتہ ایک سو سال سے جنگ چھڑی ہوئی ہے اور بے شمار کتابیں بائبل کے ردّ و قبول پر آرہی ہیں۔ ڈاکٹر سیموئل گپ صاحب مزید بتاتے ہیں:

"For approximately one hundred years now, a battle has been raging over the answer to the question, " Where is the Word of God?"

ترجمہ: "تقریباً ایک صدی سے اب تک اس سوال پر ایک جنگ چھڑی ہوئی ہے کہ خُدا کا کلام کہاں ہے؟"(7)

دو ہزار سال گذرنے کے بعد بھی اگر علما یہ سوال کریں کہ کلامِ خُدا کہاں ہے تو اس سے مسئلے کی سنگینی کا اندازہ کر لینا چاہیے۔ جب توراۃ اور انجیل اپنی حقیقی شکل میں عیسائیوں کے پاس نہیں ہیں تو موجودہ صدی میں یہ لوگ انگریزی بائبلوں پر بھی متفق نہیں ہوسکتے۔ عدم اتفاق کی یہ جنگ جاری ہے یا کہ ختم ہونے کو ہے؟ ڈاکٹر سیموئل گپ اس سوال کے جواب میں علی الاعلان لکھتے ہے:

"Today, as we enter the twenty-first century, Christianity is still divided

over the question, "Do we have a perfect Bible in English today?" This battle will probably continue in this century as it did in the 20th, if the Lord tarries His coming." (8)

ترجمہ: "آج جبکہ ہم اکیسویں صدی میں داخل ہو رہے ہیں، دُنیائے عیسائیت اس سوال پر ابھی تک فرقوں میں تقسیم ہے 'کیا ہمارے پاس انگریزی میں کوئی مکمل بائبل ہے؟' اگر خداوند [حضرت عیسٰی علیہ السلام] نے آنے میں دیر لگائی تو یہ جنگ اس صدی میں بھی غالباً اسی طرح جاری رہے گی جس طرح یہ بیسویں صدی میں تھی۔"

ایک اور عیسائی عالم نے بائبل کے متن کی صحت کے بارے میں عدم اطمینان کی بنا پر باہمی جنگ کی اسی کیفیت کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے:

"The 21st century is the scene where the battle will be fought between the King James Bible and the hundreds of new "perversions". (9)

ترجمہ: "اکیسویں صدی وہ منظر ہے جہاں کنگ جیمز بائبل اور سینکڑوں نئے مفاسد [یعنی بائبلوں] کے درمیان جنگ لڑی جائے گی۔"

یہ وہ صورت حال ہے جو دُنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے لمحۂ فکریہ ہے کیونکہ عیسائی جو خود غلط مذہب پر ہیں اپنی تبلیغ کے ذریعے غیر عیسائیوں کو گمراہ کرنے کے انتہائی نقصان دہ کام میں لگے ہوئے ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو میدانِ دعوت و تبلیغ کا گہرا مطالعہ کر کے حکیمانہ طریقے اور سنتِ نبوی کے اسلوب کے مطابق اپنا کردار ادا کرنے پر توجہ دینی چاہیے۔

بائبل لکھنے والوں کا کردار:

عیسائی علما کے مطابق بائبل کی کتب کم و بیش پندرہ سو سال کے طویل عرصہ میں لکھی گئی تھیں اور انہیں تقریباً چالیس مصنفین نے لکھا۔ ان چالیس لوگوں کے نام، زمانہ اور حالاتِ زندگی کے متعلق تاریخ خاموش ہے لہٰذا ظن و تخمین سے کام چلانے کی بنا پر عیسائی علما شدید اختلاف کا شکار ہیں۔ بائبل کے بعض مصنفوں کے متعلق ان علما کا جو اعتقاد ہے ڈاکٹر سیموئیل جیپ صاحب اسے واضح کرنے کے لیے درج ذیل بیان دیتے ہیں۔ یہاں یہ صاف صاف بتا دینا انتہائی ضروری ہے کہ مسلمان کبھی بھی انبیاء کرام کا ایسے الفاظ و انداز میں ذکر نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ کے منتخب اور پسندیدہ لوگ کبھی بھی ایسے ممنوع افعال میں ملوث نہیں ہوتے جو عیسائی علما ان کی طرف اپنی بائبل میں منسوب کرتے ہیں۔ ہم اظہار حقیقت کے لیے یہاں مجبوراً ذکر کر رہے ہیں تاکہ مسلمانوں کو عیسائیت کے کفریہ عقائد کا علم ہو جائے:

"The men who penned the words of Scripture include two murderers, Moses and David; an adulterer, David; a Christ denier, Peter; an idolater, Solomon; some uneducated fishermen, Peter, James and John; and a farmer, Amos. Yet we Christians believe that their humanity did not taint the very words of God as He inspired them through them." (10)

ترجمہ: ''وہ لوگ جنہوں نے بائبل کو لکھا ان میں دو قاتل یعنی موسیٰ اور داؤد؛ ایک زانی یعنی داؤد؛ ایک عیسیٰ کا منکر یعنی پطرس؛ ایک بت پرست یعنی سُلیمان؛ کچھ ان پڑھ مچھیرے یعنی پطرس، جیمس اور یوحنا؛ اور ایک کسان یعنی آموس شامل ہیں۔ پھر بھی ہم عیسائیوں کا ایمان یہ ہے کہ جب خُدا نے ان کے ذریعے سے الہام کیا تو ان حضرات کی بشریت نے خُدا کے کلام کو داغدار نہیں کیا۔''

یہ انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ سموئیل جیسا عیسائی ڈاکٹر اللہ تعالیٰ کے منتخب بندوں کے متعلق یہ بیان دیتا ہے۔ انبیاء کرام علیٰ نبینا وعلیہم السلام تو اللہ کریم کے وہ برگزیدہ بندے تھے جو لوگوں کی شرم و حیا، اعلیٰ اخلاق اور بلند کردار کے حوالے سے تربیت کے لیے مبعوث کیے گئے تھے۔ ان کے متعلق عیسائیوں کے جیسے عقائد سے ہم مسلمان اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ اگر اسی کردار کے مالک لوگوں نے بائبل لکھی ہے تو کیا یہ لوگ دوسروں کے لیے نمونہ عمل بن سکتے ہیں؟ جن لوگوں کا کردار خود داغدار ہوتا ہے وہ دوسروں کے کردار پر پڑے بدکرداری کے دھبوں کو کیسے صاف کر سکتے ہیں؟ کیا ایسوں کی تصنیفات کلامِ خدا ہو سکتی ہیں؟ کیا ایسے لوگ بدکرداری سے پاک معاشرے کا کوئی تصور یا نظام دے سکتے ہیں؟ حاشا وکلا

جدید تنقیدِ بائبل نے ثابت کیا ہے کہ بائبل میں شامل کُتب اپنی اصلی حالت میں آج کہیں نہیں ملتی ہیں۔ چاہے عبرانی میں لکھی گئی توراۃ اور عہد نامہ قدیم کی دوسری کتابیں ہوں یا آرامی/یونانی زبان میں لکھی گئی انجیل ہو۔ کچھ عیسائی حضرات تو اس حقیقت کو تسلیم نہیں کرتے مگر محقق عیسائیوں نے اس حقیقت کو نہ صرف مانا ہے بلکہ انہوں نے اس سلسلے میں باقاعدہ ضخیم کتابیں لکھ کر تبدیلیوں کی تفصیل سے پردہ ہٹایا ہے۔ ہم ذیل میں دو حوالوں پر اکتفا کرتے ہیں۔

موجودہ توراۃ کے متن کی حقیقت:

ایک مشہور اور صاحبِ تصانیف عالم جیو وائڈنگرِن (Geo Widengren) نے درج ذیل الفاظ میں اعلان کیا ہے کہ موجودہ توراۃ کا متن غیر مستند ہے:

"We have seen that Moses gave the *torot* to Israel, but it is impossible to reconstruct from the present mass of traditions what regulations could be qualified "Mosaic". It is more easy to say what in the laws ascribed to

Moses is not of Mosaic origin. Most of the cultic and social regulations date from the time after the settlement, especially from the period of kings and is accordingly antedate." (11)

"ہم جانتے ہیں کہ موسیٰ [علیہ السلام] نے اسرائیلیوں کو توراۃ دی تھی لیکن موجودہ روایات کے انبار سے ان اصول و ضوابط کی تشکیل نو کرنا محال ہے جنہیں مستند موسوی کہا جا سکے۔ یہ کہنا زیادہ آسان ہے کہ وہ قوانین جنہیں موسیٰ [علیہ السلام] کی طرف منسوب کیا جاتا ہے وہ موسوی الاصل بالکل نہیں ہیں۔ اکثر فرقہ ورانہ اور سماجی ضابطے اسرائیلیوں کی آبادکاری، بالخصوص عہد ملوک سے بہت بعد کے ہیں اور نتیجتاً منسوب تاریخوں سے طویل عرصہ بعد کے ہیں۔"

یہ تو تھی بائبل کے پہلے بڑے حصے توراۃ کے موجودہ متن (Text) کی حقیقت۔ اب ذرا اس کے دوسرے بڑے حصے موجودہ انجیل کے متن کی تشکیل جدید کے بارے میں ایک اعتراف ملاحظہ فرمائیے۔

موجودہ انجیل کے متن کو بناتے کا طریقہ کار:

میکفاش صاحب کے مذکورہ بالا بیان سے یہ واضح ہوگیا ہوگا کہ مختلف عیسائی فرقوں کی اپنی اپنی بائبلیں ہیں۔ اس انکشاف حقیقت کے بعد خود بخود ایک سوال جنم لیتا ہے کہ اگر ہر عیسائی فرقے اور گروہ کی اپنی اپنی بائبل ہے، تو یہ لوگ کس طرح اپنی اپنی بائبل بنا لیتے ہیں؟ اس سوال کا جواب جاننا نہ صرف دلچسپ ہے بلکہ بہت اہم بھی ہے۔ عہد نامہ جدید جسے عیسائی حضرات انجیل کہہ کر متعارف کرواتے ہیں، کے متن کی تشکیل کے سلسلے میں ہم حقائق کے صرف دو پہلو سامنے لاتے ہیں۔ ایک پہلو سے ہم ماضی میں عہد جدید کی ابتدا کو جانیں گے اور دوسرے پہلو سے دور حاضر میں موجودہ انجیل کے طریقہ تشکیل کو معلوم کریں گے۔

ڈاکٹر ایم ایچ درانی، تھامس پائن (Thomas Paine) کی کتاب (Age of Reason) سے نقل کرتے ہیں:

"The Councils of Nicaea and Locodicea were held about 350 C.E. years after the time Christ, is said to have lived; and the books that now compose the New Testament were then voted for by AYES and NOES, as we now vote a law. A great many that were offered had a majority of NAYS and were rejected. This is the way the New Testament came into being." (12)

ترجمہ: "بتایا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کے [آسمان پر اٹھا لیے جانے کے] کئی سالوں بعد ۳۵۰ عیسوی میں نیقیہ اور لوکوڈیسیہ کی کونسلیں منعقد ہوئیں تھیں جن میں عہد نامہ جدید [موجودہ انجیل] میں شامل کتب کے حق

میں یا خلاف میں ہاں یا ناں کر کے ووٹ ڈالے گئے بالکل اُسی طرح جیسے ہم کسی قانون کے لیے ووٹ ڈالتے ہیں۔ بہت سی کتابیں اور انجیلیں ایسی تھی جن کے خلاف ووٹ ڈالے گئے۔ یہ وہ طریقہ ہے جس سے عہد نامہ جدید وجود میں آیا۔"

اس اہم اور واضح بیان سے پتہ چلتا ہے کہ عہد نامہ جدید یعنی موجودہ انجیل اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں آئی، اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دیکھا تک نہیں، حتیٰ کہ آپ کے ابتدائی مخلص حواریوں کو بھی اس انجیل کا کوئی علم نہیں تھا کیونکہ وہ انجیل جو ۳۵۰ء کے بعد لوگوں کے پاس ملے اس کا آغاز حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا آپ کے حواریوں سے کیسے ہوسکتا ہے؟ ستم تو یہ ہے کہ ۳۵۰ء میں وجود میں آنے والی انجیل بھی اپنے اسی ابتدائی متن کے ساتھ آئندہ نسلوں تک نہ پہنچ سکی۔ کاتبین اور ذمہ داران نے وقت کے ساتھ ساتھ اس کے متن کو بدلتے رکھنا ضروری سمجھا۔ یہی وجہ ہے کہ بعد کے ادوار میں مختلف عیسائی علما کو اس کا متن پھر سے بنانا پڑا۔ آیئے دیکھیں کہ دورِ حاضر میں انجیل کا متن کس طرح سے بنتا ہے؟ ڈاکٹر سیموئل گپ (Dr. Samuel C. Gipp)، جو کہ ایک پکّے اور کٹر قسم کے عیسائی ہیں، ہمیں بتاتے ہیں:

"It is through such a slow, painstaking process that an editor reviews the extant witnesses and then establishes what the original text said. That is what an editor has to do. He has to go through piles of manuscript fragments, plus unroll scrolls, and folio books to examine. He has to reduce that to one single text. When he is finished, he compiles his entire New Testament text and publishes it for the world to use in translating Scripture."(13)

"یہ ایک سُست رفتار اور پُر مشقت طریقِ کار کے ذریعے ہوتا ہے کہ ایک مرتّب (Editor) دستیاب شواہد کا معائنہ کرتا ہے۔ پھر اصل متن نے جو کچھ کہا تھا وہ اُسے مقرر کرتا ہے۔ یہ وہ کام ہے جو ایک مرتّب کو کرنا پڑتا ہے۔ اُسے ریزوں، چیتھڑوں اور ٹکڑوں کی صورت میں موجود مخطوطوں کے انبار کو کھنگالنا پڑتا ہے، طوماروں کو کھولنا پڑتا ہے اور طبع شدہ کتابوں کا جائزہ لینا پڑتا ہے۔ اُسے ان سب کو گھٹا کر ایک متن بنا دینا ہوتا ہے۔ جب وہ اسے مکمل کر لیتا ہے تو پورے عہد نامہ جدید کے متن کی تدوین کر کے دُنیا کے لیے چھاپا ہے تا کہ اس سے کتبِ مقدسہ کا ترجمہ ہوسکے۔"

غور کیجئے کہ آج کی انجیل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یا کسی ایڈیٹر کی طرف سے؟ اس کا یونانی زبان میں متن عام پڑھنے کے لیے نہیں بلکہ ترجمہ کرنے کے لیے ہے؟؟؟ ایسی صورت میں یہ کتاب اور اس کا مصدر ومنبع انسان کی دُنیا میں سچی رہنمائی اور آخرت میں نجات کا ضامن کیسے ہوسکتا ہے؟

متن کی تشکیلِ جدید کا بنیادی مقصد:

پرانے ضائع شدہ اوراق، چمڑے کے بوسیدہ چیتھڑوں اور مدفون پتھروں کی تختیوں سے بنے اس متن کا مقصد کیا ہے؟ اس سوال کا جواب اشارۃً آپ اوپر ڈاکٹر سیموئل رُیپ کے بیان میں ملاحظہ فرما آئے ہیں کہ اس طرح سے وضع شدہ متن پڑھنے اور عمل کرنے کے لیے نہیں ہوتا بلکہ ترجمہ کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ اس سے زیادہ وزنی ایک اور اعترافِ حقیقت ذکر کر دینا مناسب رہے گا۔ کرٹ آلینڈ (Kurt Aland)، میتھیو بلیک (Matthew Black)، کارلو۔ایم۔ مارٹنی (Carlo M. Martini)، بروس ایم. میٹزگر (Bruce M. Metzger) اور آلن وکگرین (Allen Wikgren) جو کہ دی گریک نیوٹسٹامنٹ کے ایڈیٹر ہیں، نے یہ اعتراف اسی نیوٹسٹامنٹ کے پیش لفظ میں کیا ہے۔ وہ اسے بنانے کی ضرورت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"To meet the growing need for an edition of the Greek New Testament specially adapted to the requirements of the Bible translators throughout the world, the American Bible Society, the National Bible Society of Scotland, and the Wurttemberg Bible Society appointed in 1955 an international and interdenominational committee of textual scholars to prepare such an edition."(14)

ترجمہ: ''امریکن بائبل سوسائٹی، اسکاٹ لینڈ کی نیشنل بائبل سوسائٹی اور وڑتمبرگ بائبل سوسائٹی نے ۱۹۵۵ء میں ایک بین الاقوامی اور بین الفرق ایک کمیٹی مقرر کی جو تنقیدِ متن کے علما پر مشتمل تھی تا کہ وہ دُنیا بھر میں بائبل کے مترجمین کی بڑھتی ہوئی ضروریات کے موافق یونانی میں عہد نامہ جدید کا ایک متن تیار کرے۔''

عہد نامہ جدید جسے یہ لوگ انجیل بھی کہتے ہیں کا متن یونانی زبان میں بنایا جاتا ہے! اسے تمام لوگوں تک پہنچانے کے لیے نہیں بلکہ ترجمہ کرنے کے لیے!! اصل سے جب ناقص نقول بنیں، نقول سے مخلوطے بنے، مخلوطے فرقہ ورانہ اختلافات کی بھینٹ چڑھتے رہے، ان کے رد و قبول کی تاریخ مرتب ہوگئی، ان سے یونانی متن بننے لگے، پھر ترجمے ہوئے۔ اندازہ کیجیے اصل میں سے قارئین تک کیا پہنچا؟

جدید دور میں خود ساختہ کلامِ خدا بنانے والے:

آج کے دور میں موجودہ توراۃ اور انجیل کا متن جس طرح بنایا جاتا ہے اس کا تھوڑا سا تعارف اوپر آ گیا ہے۔ اس طریقِ عمل سے جن لوگوں نے یونانی وغیرہ میں انجیل کے متن بنائے ہیں ان میں سپین سے تعلق رکھنے والے ایک کارڈینال زمینز ڈی سسنیروس (Ximenes de Cisneros 1437-1517)،

ایک معروف ڈچ سکالر ڈیزیڈیریس اِرَسمس (Desiderius Erasmus 1469-1536)، ایڈورڈ ویلز (Edward Wells 1667-1727)، کارل لاخمن (Karl Lachmann 1793-1851)، بی. ایف. ویسٹکوٹ (B.F. Westcott 1825-1901) اور ایف. جے. انتھی ہورٹ (F.J. Anthony Hort 1828-92) وغیرہ کے نام گنوائے جا سکتے ہیں جو اپنے اپنے پیش رو عیسائی علما کے وضع شدہ متن والی بائبلوں کو رد کر کے نئی بائبلیں بنا کر پیش کرتے رہے۔

تشکیلِ نو شدہ کلامِ خدا کا جواز:

اگر آپ یہ سوال کریں کہ اپنی مرضی کا کلامِ خدا بنانے کے لیے ان حضرات کے نزدیک وجوہات کیا ہیں؟ وہ کیا دلائل ہیں جن کی بنا پر یہ لوگ اپنے اس کام کو جائز سمجھتے ہیں؟ وہ کیا ضرورت ہے جس کی وجہ سے انہیں نت نئی بائبل بنانی پڑتی ہے؟ اس کے جواب میں ایک بہت معروف امریکی عیسائی عالم جو کئی ضخیم کتب کے مصنف بھی ہیں، روسَس جان روشڈونی (Rousas John Rushdoony) نے نئی بائبلوں کے لیے ویسٹکوٹ اور ہورٹ کا مؤقف یہ بیان کیا ہے:

"... Westcott and Hort, held that, while the original autographs may have been a faithful rendering of the revelation made by God, scribes over the generations made errors and emendations which must be corrected."(15)

ترجمہ: ''ویسٹکوٹ اور ہورٹ کا مؤقف یہ تھا کہ اصل مسودوں میں تو کلام اللہ کا باوثوق اندراج ہوگا لیکن وہ غلطیاں اور ترامیم جو کاتبین نے نسل در نسل کی ہیں انہیں درست کرنا نہایت ضروری ہے۔''

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَوْقَ ذِیْ کُلِّ عِلْمٍ عَلِیْمٌ (۱۶) (ہر علم والے سے اوپر ایک علم والا ہے)۔ ایسا لگتا ہے کہ اس اصول کے تحت عیسائی علما کا ہر نیا گروہ یہ کہتا ہے کہ ان کے متقدمین نے کاتبین کی غلطیوں کو درست کرنے میں کئی غلطیاں کی ہیں لہٰذا درست متن پیش کرنے میں ناکام رہے اس لیے سچے متن کے قریب ترین متن وہ ہوگا جسے یہ بنائیں گے۔ یہ وہ طریقہ ہے جس سے غلطیوں کو درست کرنے کے نام پر دراندازی کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ نئی بائبلیں بنانے کا یہ ایک جواز تھا۔ ایک وجہ اور بھی ہے جسے روشڈونی صاحب یوں واضح کرتے ہیں:

""New Bibles" are big money, and their by-products are likewise profitable."(17)

ترجمہ: ''نئی نئی بائبلیں بہت بڑا مال ہیں، ان سے متعلقہ مصنوعات بھی اسی طرح نفع بخش ہیں۔''

دولت کمانا کوئی بُری بات نہیں لیکن ایسا کاروبار یقیناً مذموم ہے۔ جس میں اپنے ہاتھوں لکھی گئی کتابوں کو اللہ کا کلام کہا جائے۔ آج سے پندرہ سو سال پہلے کا قرآن مجید کا یہ فرمان کتنے حیرت انگیز طریقے سے اسی حقیقت کو بیان کرتا ہے جس کا اعتراف آج خود نامور عیسائی علما اپنی تحریروں میں کرتے ہیں کہ: ''یَکْتُبُوْنَ الْکِتٰبَ بِاَیْدِیْھِمْ ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ ھٰذَا مِنْ عِنْدِاللّٰہِ لِیَشْتَرُوْا بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا'' (۱۸)۔ کہ علمائے یہود و نصاریٰ کتابیں اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں لیکن اعلان یہ کرتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے آئی ہیں تاکہ مال و دولت کمائیں۔

اب سکالر اور ڈاکٹر خدا بن گئے؟؟؟:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَھُمْ وَ رُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا'' (۱۹)۔یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنے احبار کو اپنا رب بنا لیا ہے۔ عبداللہ یوسف علی نے قرآن مجید کی اپنی انگریزی تفسیر میں اسی آیت کے ذیل میں لکھا ہے کہ احبار سے مُراد اُن کے (doctors of law; priests; learned men) (۲۰) ماہرین قانون؛ پادری حضرات؛ پڑھے لکھے لوگ، ہیں۔ ہمیں علم نہیں ہے کہ جناب روسس جان روشڈونی نے قرآن مجید کا مطالعہ کیا تھا یا نہیں؟ لیکن انہوں نے اس حقیقت کا تحریراً اعلان کیا ہے جسے قرآن نے صدیوں پہلے بتا دیا تھا اور عیسائی اسے مانتے نہیں تھے۔

"Consider what happens when the Received Text is set aside and scholars give us their reconstruction of the text. The truth of revelation has thereby passed from the hand of God into the hands of men."(21)

ترجمہ: ''ذرا سوچئے کہ جب متن مقبول (The Received Text) کو ایک طرف رکھ دیا جاتا ہے اور سکالر حضرات ہمیں اپنا تشکیل نو شدہ متن دیتے ہیں تو کیا واقع ہوتا ہے۔ تب وحی کی صداقتیں خدا کے ہاتھ سے نکل جاتی ہیں اور انسانوں کے ہاتھوں میں آ جاتی ہیں۔''

وہ اسی بات کو زیادہ واضح الفاظ میں بیان کرنے کے لیے مزید لکھتے ہیں کہ:

"The determination of the correct word is now a scholar's province and task. The Holy Spirit is no longer the giver and preserver of the Biblical text: it is the scholar, the textual scholar."(22)

ترجمہ: ''درست لفظ کا مقرر کرنا اب سکالر کے دائرہ کار میں ہے اور اسی کا کام ہے۔ روح القدس اب نہ بائبل کا متن دینے اور نہ اس کی حفاظت کرنے والا ہے، یہ سکالر ہے یعنی تنقیدِ متن کا سکالر۔''

اسلام میں 'روح القدس' حضرت جبریل علیہ السلام کا لقب ہے لیکن عیسائیت میں روح القدس

تثلیث کا تیسرا خُدا ہے۔ ان کے عقیدے کے مطابق خدا روح القدس بائبل کی صورت میں کلامِ خُدا دینے اور اس کی حفاظت کرنے والا ہے۔ لیکن حقیقی اور موجودہ صورت حال آپ نے روسَس جان روشڈونی صاحب کے قلم سے ملاحظہ فرمالی ہے۔ یہ ہے بائبل اور اس میں شامل موجودہ انجیل کے متن کو بنانے کی مبنی برصداقت کہانی۔ اب سوال یہ ہے کہ اس طریقۂ کار سے ظہور پذیر ہونے والی بائبلیں لوگوں کو اور بالخصوص مغربی ممالک کے عیسائیوں کو فائدہ دے رہی ہیں یا نقصان؟ مغربی معاشرے کے مختلف طبقوں پر ایسی بائبلوں کے کیا اثرات مرتب ہو رہے ہیں؟ درج ذیل میں صرف ڈاکٹر سیموئل گِپ کی تحریر سے ایک اور اقتباس پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

امریکی معاشرے پر بائبل کے اثرات:

ڈاکٹر سیموئل گِپ موجودہ بائبلوں کے خلاف ہیں۔ ان کا مؤقف یہ ہے کہ جدید بائبلیں گمراہ کُن ہیں۔ اس لیے ان سے فائدے کی بجائے نہ صرف روحانی نقصان ہو رہا ہے اور اخلاقی اَقدار کا جنازے پہ جنازہ اُٹھ رہا ہے بلکہ مختلف الانواع معاشرتی خرابیاں تباہی پھیلا رہی ہیں۔ ایسی صورتحال کی منظر کشی وہ درج ذیل الفاظ میں کرتے ہیں:

"It is undeniable that we in America have **more "bibles" in our language** than any other country. No, even England has not published as many "Bibles" as America. Yet in America we have situations where a six-year-old boy can take a gun to school and shoot a six-year-old girl to death, or a man can have sex with another man and then kill him and eat him! Two teenage boys can go to their high school and shoot fourteen of their fellow students to death. A mother can strap her two infant children into a car and then drive it into a lake, killing them both. High school girls can have babies and then leave them in a dumpster to die. A man can kidnap young girls and video tape himself sexually abusing them and then killing them. This is **not** sin! This is **perversion!** Now how can a nation with so many "Bibles" in its language also be so infested with such repulsively perverted acts? Wouldn't it seem that **all those "Bibles"** would just have to have an overwhelming effect on the spirits that would spawn such horrible acts?"(23)

ترجمہ: یہ نا قابلِ انکار حقیقت ہے کہ ہم امریکہ میں کسی بھی دوسرے مُلک سے زیادہ انواع و اقسام کی بائبلیں رکھتے ہیں۔ انگلینڈ نے بھی اتنی بائبلیں شائع نہیں کی ہیں جتنی امریکہ نے۔ اس کے باوجود بھی امریکہ میں صورتِ احوال یہ ہے کہ ایک چھ سال کی عمر کا لڑکا اسکول میں بندوق لے جا کر ایک چھ سالہ لڑکی کو گولی چلا کر مار سکتا ہے، ایک آدمی دوسرے آدمی سے اغلام بازی کر سکتا ہے پھر اسے قتل کر کے اسے کھا بھی جاتا ہے! جوانی کی حدود میں داخل ہونے والے لڑکے ایک ہائی اسکول میں اپنے ہی ہم جماعت چودہ ساتھیوں کو موت کی نیند سُلا سکتے ہیں۔ ایک ماں اپنے دو معصوم بچوں کو رسیوں سے باندھ کر کار میں رکھتی اور اسے ایک جھیل میں ڈال سکتی ہے کہ وہ دونوں مر جائیں۔ ہائی اسکول کی لڑکیاں بچوں کو جنم دے دیتی ہیں اور انہیں مارنے کے لیے کوڑے کرکٹ کے کسی ڈھیر پر پھینک سکتی ہیں۔ ایک آدمی چھوٹی لڑکیوں کو اغواء کر کے اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کے دوران ان کی ویڈیو فلم بنا سکتا ہے اور پھر انہیں قتل کر سکتا ہے۔ یہ صرف گناہ نہیں ہے! یہ شدید بگاڑ اور انتہائی گمراہی ہے۔ اب کیسے ایک قوم جس کے پاس اپنی ہی زبان میں کثیر بائبلیں ہوں اتنے بے شمار گھناؤنے کاموں اور نا قابلِ تصور قبیح افعال سے پُر ہو سکتی ہے؟ کیا یہ درست محسوس نہیں ہوتا کہ یہ ساری بائبلیں لوگوں کی روح پر ایسا بدترین اثر ڈالتی ہیں جس کا نتیجہ ایسے لامحدود، خوفناک اور فاسد اعمال کی صورت میں نکلتا ہے؟"

آج کے دور میں جرائم سے خالی تو شاید کوئی خطۂ ارض نہیں ہے اس لیے یہاں پر فساد اور گمراہیوں کی کثرت سے پُر امریکی معاشرے کو سامنے لانا مقصود نہیں ہے بلکہ اس حقیقت کی جانب اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ اس تمام گھناؤنی صورتحال کی بنیادیں عیسائی علما کی نظر میں بائبلوں کی کثرت میں پائی جاتی ہیں۔ البتہ جب بھی مسلمان قلم کار معاشرتی پریشانیوں اور خرابیوں کا ذکر کرتے ہیں تو اس کی وجہ دینِ اسلام سے دوری، قرآن سے غفلت اور تعلیماتِ مصطفوی سے کنارہ کشی بتاتے ہیں۔ بائبل اور قرآن کی تعلیمات میں یہ فرق ہے کہ قرآن توحید اور اتحاد کا داعی اور علمبردار ہے جبکہ بائبل توحید کی بجائے تثلیث کا درس دیتی ہے۔ اس طرح یہ وحدت و اتحاد کی بجائے افتراق پسندی اور فرقہ بندی کی جانب لے جاتی ہے۔ تھوڑے بہت فرقے تو مسلمانوں میں بھی پائے جاتے ہیں مگر جو حالت عیسائیت کی ہے اس کا اندازہ درج ذیل سے لگایئے۔

عیسائی فرقوں کی کثرت:

عیسائیت کے فرقوں سے متعلق ہمیں مختلف مآخذ سے کئی شواہد ملتے ہیں کہ یہ مذہب بے شمار گروہوں میں بٹتا جا رہا ہے۔ اگر ہم اپنے آپ کو صرف احادیث رسول ﷺ، مسلم اور عیسائی علما کی تصانیف تک محدود

دیکھیں تو مندرجہ ذیل حقائق سامنے آتے ہیں۔

ا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث شریف مروی ہے: "ان رسول اللہ ﷺ قال تفرقت الیهود علیٰ احدیٰ وسبعین فرقة او اثنتین و سبعین فرقة والنصاریٰ مثل ذلک و تفترق امتی علیٰ ثلاث وسبعین فرقة" (۲۴) "اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ قوم یہود اکہتر یا بہتر فرقوں میں بٹ گئی تھی اور عیسائیوں کا بھی یہی حال ہوا اور میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی۔"

اس حدیث میں اکہتر یا بہتر کا شک راوی کو ہوا۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ چھٹی صدی عیسوی میں عیسائیوں کے فرقے اکہتر یا بہتر تھے یا یہ کہ دُنیائے عیسائیت کے تا قیامت بڑے بڑے فرقے اکہتر یا بہتر ہوں گے۔ کیونکہ آج اکیسویں صدی میں ان کے بڑے بڑے فرقے کیتھولک، آرتھوڈکس، پروٹسٹنٹ، اینگلیکن، سیونتھ ڈے ایڈونٹسٹ وغیرہ ہیں اور ان کے اندر مزید فرقہ بندی کا جو حال ہے وہ آپ اگلے دو بیانات سے لگا سکتے ہیں۔

۲۔ ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم سے ایک آدمی نے مسلمانوں میں پائے جانے والے فرقوں کے متعلق سوال کرتے ہوئے کہا تھا: "میرا ایک دوست ان فرقوں سے تنگ آ کر طنزیہ کہا کرتا ہے کہ میں عیسائی بننا چاہتا ہوں کیوں کہ عیسائیت میں کوئی فرقہ نہیں ہے۔" ڈاکٹر صاحب نے اس سوال کا جو جواب دیا تھا اس میں یہ بات بھی ہے: "میں نے جرمن زبان میں لکھی ایک کتاب دیکھی ہے جس میں بارہ ہزار عیسائی فرقوں کا ذکر ہے۔ ظاہر ہے کہ ہمارے یہ دوست عیسائی بن کر مایوس ہی ہوں گے کہ اسلام ہی بہتر تھا کہ وہاں شاید صرف بارہ ہی فرقے ہیں،..." (۲۵) اس سے زیادہ عیسائی فرقوں اور ان کے باہمی انتشار کے لیے خود ان کے گھر کی گواہی درج ذیل ایک ذمہ دار مصنف کے قلم سے ملاحظہ کیجئے۔

۳۔ فادر فرانک چاکون (Fr.Frank Chacon) صاحب لکھتے ہیں:

"Catholics believe that the Eucharist is the ***literal*** body and blood of Christ. Virtually all of the more than 25,000 different Protestant denominations believe Christ is only present ***symbolically*** in the Eucharist." (26)

"کیتھولک عیسائیوں کا ایمان ہے کہ یوخرست میں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا حقیقی جسم اور خون موجود ہوتا ہے۔ [مگر] پچیس ہزار سے زائد تمام مختلف پروٹسٹنٹ عیسائی فرقوں کا بلاشبہ ایمان یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ [علیہ السلام] یوخرست میں علامتی طور موجود ہوتے ہیں۔"

یوخرست کا تذکرہ درمیان میں آ گیا تو بتاتے چلیں کہ یہ عشائے ربانی کا دوسرا نام ہے۔ یہ عیسائی

حضرات کی بہت اہم مگر انتہائی اختلافی رسم ہے جس میں وہ روٹی کھاتے اور رَس (؟) پیتے ہیں۔ کیتھولک، پروٹسٹنٹ، لوتھرن، زونگلی، ریفارمڈ وغیرہ عیسائی اپنے اپنے انداز میں اس کی تشریح کرتے ہیں اور دوسروں سے مختلف طریقے سے اسے منعقد کرتے ہیں۔ بہرحال فرانک چاکون صاحب کے اس بیان سے ہمارا مقصود یوخرست کی رسم کو زیر بحث لانا نہیں بلکہ عیسائی فرقوں میں روز بروز کے اضافے کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ اوپر مذکور تین ماخذ سے واضح طور پر یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ عیسائی مذہب اپنی کمزور بنیادوں کی وجہ سے بڑی تیزی سے انتشار اور فرقہ بندی کا شکار ہوتا جا رہا ہے۔ صرف پروٹسٹنٹ فرقوں کی اس وقت مجموعی طور پر دُنیا میں کل آبادی (۳۵۱،۳۶۲،۰۰۰) نفوس پر مشتمل ہے (۲۷)۔ اگر یہ لوگ پچیس ہزار سے زائد فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں تو اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کیتھولک اور آرتھوڈکس عیسائی کتنے فرقوں میں تقسیم ہو چکے ہوں گے۔ اسی سلسلے میں کلاڈے جفرے (Claude Geffre) کا وہ معنی خیز جملہ بھی ملاحظہ فرمایئے جو انہوں نے توحیدی اور غیر توحیدی مذاہب پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

"The same must be said of the numerous sects or even of religions that consider themselves more or less Christian."(28)

ترجمہ: ''یہی بات اُن بے شمار فرقوں یا حتیٰ کہ مذاہب کے بارے میں لازماً کہنی چاہیے جو خود کو کم و بیش عیسائی سمجھتے ہیں''۔ کلاڈے جفرے صاحب کے اس جملے سے یہاں بھی ہمارا مقصود کثیر عیسائی فرقوں کی موجودگی کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ A سے لیکر Z تک ان کے تقریباً تمام فرقوں کے حالات، نام اور ان کے آپس میں اختلافات کی تفصیل جاننے کے لیے ایک انٹرنیٹ پر ایک نہایت معلوماتی سائیٹ www.geocities.com/michaeladamr/christoindex.htm پر رجوع کیا جاسکتا ہے۔

عیسائی علما کی ایک مشہور عادت:

بائبل کے مترجمین عیسائی علما کی یہ ایک مشہور عادت ہے کہ وہ آسمانی کتب مقدسہ کے متن میں تحریف کی بنا پر بائبل اور اس میں شامل انجیل کے تراجم میں قطع بُرید یا حذف اور اضافے کرتے رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم بائبل کے مختلف تراجم میں ایک ہی وَرس میں کبھی ایک عبارت پاتے ہیں تو کبھی اس کے اُلٹ۔ موجودہ انجیلِ بائبل کا دوسرا بڑا حصہ ہے جسے عیسائی صاحبان عہد نامہ جدید (New Testament) بھی کہتے ہیں۔ عیسائی فرقوں کی کثرت انجیل کے متن کو تبدیل کرنے اور آپس میں کئی حوالوں سے مختلف بائبلیں بنانے پر بہت اثر ڈالتی ہے۔ ایسا کیوں ہوا؟ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب بتاتے ہیں:

''جرمنی کے عیسائی پادریوں نے سوچا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں آرامی زبان میں جو انجیل تھی وہ تو اب دُنیا میں موجود نہیں۔ اس وقت قدیم ترین انجیل یونانی زبان میں ہے اور یونانی سے ہی ساری

زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے ہیں۔ لہٰذا یونانی مخطوطوں کو جمع کیا جائے۔ اور ان کا آپس میں موازنہ کیا جائے۔ چنانچہ یونانی زبان میں انجیل کے جتنے نُسخے دُنیا میں پائے جاتے تھے ان سب کو جمع کیا گیا اور اُن کے ایک ایک لفظ کا مقابلہ (Collation) کیا گیا۔ اس کی جو رپورٹ شائع ہوئی اس کے لفظ یہ ہیں: ''کوئی دولاکھ اختلافی روایات ملتی ہیں'' اس کے بعد یہ جملہ ملتا ہے: ''ان میں سے [۷/۱] اہم ہیں'' یہ ہے انجیل کا قصہ'' (۲۹)۔ جس انجیل کا ساتواں حصہ اہم اختلافی روایات پر مبنی ہو وہ یقیناً عیسائی فرقوں کی کثرت کے قصے کو سمجھنا آسان بنا دیتا ہے۔ کہ جب یہ کتاب ہی ایک نہیں ہے تو اس کتاب کو ماننے والے ایک کس طرح ہو سکتے ہیں؟ جب کتاب ہی توحید کا درس نہیں دیتی تو ایسی کتاب والے صرف چار پانچ صدیوں میں پچیس ہزار فرقوں کا شکار نہیں ہوں گے تو اور کیا کریں گے؟ جب یہ کتاب خود محفوظ نہ رہ سکی تو یہ معاشرتی خرابیوں کے طوفان سے انسانیت کی حفاظت کس طرح کر سکتی ہے؟

بائبل کی ایک ورس (Verse) پر سرسری نظر:

سابقہ سطور میں آپ نے ملاحظہ کیا کہ عیسائیت کے بڑے فرقوں میں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کے نام بھی آتے ہیں۔ ان دونوں فرقوں کے عقائد میں اساسی اختلاف کی وجہ سے اُن کی بائبلوں میں تو بنیادی کئی فرق ہیں ہی لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ خود کیتھولک عیسائیوں کی نہ صرف اُردو بلکہ انگریزی بائبلوں کی عبارتوں میں اتفاق مفقود ہے۔ قارئین آئندہ مختصر بحث میں اس کی کچھ تفصیل بائبل کے مختلف تراجم کی تاریخی ترتیب سے ملاحظہ فرمائیں گے۔

دُعائے ربانی کا مُحرف اختتامیہ:

متی کی انجیل ۶: ۹۔۱۳ کی عبارت 'دعائے ربانی' کے نام سے عیسائی حلقوں میں مشہور ہے۔ یہاں زیرِ غور ورس متی کی انجیل ۶: ۱۳ ہے جو کہ اس دُعا کا اختتامیہ ہے۔ اس کے متعلق اصل صورتحال کو سامنے لانے سے پہلے اس کا یونانی متن ہم دو مصادر سے پیش کرتے ہیں۔ پہلا مصدر لندن کی ٹرینی ٹیرین بائبل سوسائٹی کا شائع کردہ یونانی متن ہے۔ (۳۰)

متنِ مقبول کے مطابق متی ۶: ۱۳ کی عبارت:

και μη εισενεγκης ημας εις πειρασμον, αλλα ρυσαι ημας απο του πονηρου. <u>οτι σου εστιν η βασιλεια και η δοζα εις τους αιωνας. αμην.</u> (31)

نیسلے آلینڈ (Nestle-Aland) متن کے مطابق متی ۶: ۱۳ کی عبارت

دوسرا مصدر عہد نامہ جدید یا موجودہ انجیل کا یونانی متن نیسلے آلینڈ کا چھبیسواں ایڈیشن ہے (۳۲)۔ اس میں

متی ۶: ۱۳ کے الفاظ یوں ہیں:

και μη εισενεγκης ημας εις πειρασμον, αλλα ρυσαι ημας απο του πονηρου.(33)

دونوں مصادر سے نقل کی گئی عبارتوں کا موازنہ کریں تو ٹرینی ٹیرین بائبل سوسائٹی کے شائع کردہ یونانی متن کی وہ عبارت جسے ہم نے خط کشیدہ کیا ہے آپ کو بسلے آلینڈ کے تشکیل نوشدہ یونانی متن میں نظر نہیں آئے گی۔ کیا یہ فرق کلام الٰہی میں تحریف اور رد و بدل کے بغیر از خود ہو گیا ہے؟

اس تحریف کی کہانی خود ان کی اپنی تحریروں کی زبانی ہم اختصار سے بیان کرتے ہیں۔ اس ورس کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے کے آخری لفظ جس کا انگریزی میں معنی (evil) کیا گیا ہے کے متعلق بات ہو گی جبکہ دوسرے سارے یعنی خط کشیدہ حصے کی حقیقت زیر بحث ہوگی۔

بُرائی یا بُرا (evil Or the evil one)؟

لفظ 'evil' جس کا معنی بُرائی ہے کے لیے ہم فی الوقت دستیاب تراجم کو دو گروہوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ پہلے گروپ میں آٹھ تراجم یعنی کنگ جیمز ورژن ۱۶۱۱ء، کتاب مقدس ۱۹۳۰ء، ریوائزڈ سٹینڈرڈ ورژن کیتھولک ایڈیشن ۵۷۔ ۱۹۴۶ء، کلامِ مقدس ۱۹۵۸ء، نیو امریکن سٹینڈرڈ بائبل ۱۹۶۳ء، نیو امریکن بائبل ۱۹۷۰ء، نیو کنگ جیمز ورژن ۸۲۔ ۱۹۷۹ء اور گِن ٹیمپریری انگلش ورژن ۱۹۹۶ء شامل ہیں۔ ان سب کے ہاں لفظ 'evil' یا بُرائی ملتا ہے۔

دوسرے گروپ میں تین تراجم شامل ہیں جن کی آگے دو قسمیں بنتی ہیں۔ پہلی قسم وہ ہے جس نے ایک لفظ 'evil' کی بجائے تین الفاظ 'the evil one' لکھا ہے۔ یہ بات ہمیں نیو انٹرنیشنل ورژن ۷۸۔ ۱۹۷۳ء اور دی نیو ریوائزڈ سٹینڈرڈ ورژن کیتھولک ایڈیشن برائے انڈیا ۱۹۹۹ء میں ملتی ہے۔ دوسری قسم میں ہمارے پاس گڈ نیوز بائبل ۱۹۷۶ء ہے جس نے 'the Evil One' لکھا ہے۔ یہاں پر پہلی اور دوسری قسم میں فرق لفظ 'evil' اور 'one' کو چھوٹے یا بڑے حروف تہجی سے لکھنے کا ہے۔ ظاہر ہے اس طرح کے اختیار میں کوئی فرق نہ ہوتا تو گڈ نیوز بائبل والے اسے بڑے حروف تہجی سے کیوں لکھتے؟

تراجم کے درمیان اِس لفظ کے اصل متن میں عدم اتفاق کو ملاحظہ کرنے کے بعد اب آیئے یہ دیکھیں کہ 'evil' اور 'the evil one' کے درمیان کیا فرق ہے؟ لفظ 'evil' کا معنی تو بُرائی ہے جیسا کہ کتابِ مقدس اور کلامِ مقدس میں آیا ہے۔ البتہ 'the evil one' کا معنی بُرائی نہیں بلکہ اس کا معنی 'the devil' ہے (۳۴)۔ یعنی حیرت، غصہ یا جھنجھلاہٹ ظاہر کرنے والا؛ بلا؛ شیطان؛ عفریت؛ ظالم (۳۵)۔ قارئین غور کریں کہ اس جملے کے الفاظ میں رد و بدل آدمی کو کہاں سے کہاں لے جاتا ہے۔

اب آیئے دیکھیں کہ 'evil' اور 'Evil' میں کیا فرق ہے؟ اوپر ہم نے دیکھا ہے کہ 'evil' کا معنی عیسائی علما نے 'devil' بھی کیا ہے۔ جس طرح 'evil' کا معنی 'devil' ہو جاتا ہے اسی طرح 'Evil' کا معنی 'Devil' ہو جائے گا اور 'Devil' کی وضاحت دی نیو کمپیکٹ بائبل ڈکشنری (The New Compact BIBLE Dictionary) نے یوں کی ہے: (36) "one of the principal titles of Satan, the arch-enemy of God and of man." یعنی 'Devil' شیطان کے بڑے القابات میں سے ایک ہے، جو خدا اور انسان کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ جبکہ وائنز کنسائز ڈکشنری آف دی بائبل (VINE'S CONCISE DICTIONARY OF THE BIBLE) نے (Devil) کی قدرے مختلف تشریح کی ہے۔ اس میں لکھا ہے:

"*diabolos (1228)*, "an accuser, a slanderer" (from *diabollo*, "to accuse, to mallign"), is one of the names of Satan. From it the English word "Devil" is derived, and should be applied only to Satan, as a proper name." (37)

ترجمہ: "*diabolos* شیطان کے ناموں میں سے ایک نام ہے جس سے انگریزی لفظ "Devil" ماخوذ ہے اور اسے شیطان کے لیے بطور خاص نام استعمال کرنا چاہیے۔"

(Devil) شیطان کا ایک لقب ہے یا شیطان کا نام، اس پر بھی عیسائی لغت نویس اختلاف کا شکار ہیں۔ لیکن یہاں جو بات نظر آئی وہ یہ ہے کہ 'evil' کی بجائے 'the evil one' یا 'the Evil One' لکھنے سے، مطلب کتنا بدل جاتا ہے۔ الفاظ کے تعین میں یہ اختلاف کیوں ہے؟ اس کا جواب مذکورہ بالا تراجم کے حواشی میں بعض نے تو کچھ بھی نہیں دیا۔ البتہ بعض مترجمین جنہوں نے 'the evil one' کو ترجیح دی تھی، نے حاشیہ میں 'Or evil' 'یا بُرائی' لکھ کر شک کا اظہار کیا ہے۔ معلوم ہوا اس جگہ متن میں تحریف کی وجہ سے اُن پر یہ واضح نہیں ہو سکا کہ اصل میں کیا تھا۔

اس جگہ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرنا غیر مناسب نہیں ہوگا کہ مذکورہ مسئلے میں کیتھولک بائبلیں بھی آپس میں متفق نہیں۔ اوپر ہم نے دیکھا کہ ریوائزڈ سٹینڈرڈ ورژن کیتھولک ایڈیشن ۵۷۔ ۱۹۴۶ء اور کلامِ مقدس ۱۹۵۸ء دونوں کیتھولک عیسائیوں کی بائبلیں ہیں جو تقریباً ایک ہی عرصے میں بنائی گئیں ان دونوں نے 'evil' لکھا ہے جبکہ دی نیو ریوائزڈ سٹینڈرڈ ورژن کیتھولک ایڈیشن برائے انڈیا نے 'the evil one' لکھا ہے۔ ان تینوں کا پہلا کیتھولک ترجمہ ۵۷۔ ۱۹۴۶ء کے دوران امریکہ سے، دوسرا ۱۹۵۸ء میں روما سے اور تیسرا ۱۹۹۹ء میں بنگلور انڈیا سے شائع کیا گیا ہے۔ اندازہ کیجئے کہ وقت کے ساتھ ساتھ ایک ہی فرقے والے یہ حضرات کس طرح اپنی بائبلوں میں ردوبدل کرتے رہتے ہیں۔

بائبل کے مترجمین بمقابلہ غیر مترجمین عیسائی علما:

لفظ بُرائی 'evil' کے متعلق اس مختصر بحث کے آخر میں ایک عجیب بات سامنے آتی ہے کہ عام عیسائی مصنفین، بائبل کے مترجم عیسائی علما کی خامیاں کس طرح سامنے لاتے ہیں۔ عموماً یہی سمجھا جاتا ہے کہ بائبل کا ترجمہ کرنے پر مامور لوگ نامور علما اور قدیم زبانوں کے ماہرین ہوتے ہیں۔ لیکن لگتا ہے کہ درحقیقت ایسا نہیں ہے۔ جے۔ آئی۔ پیکر کے الفاظ ہیں: "بُرائی سے" کے لیے یونانی زبان میں جو الفاظ استعمال ہُوئے ہیں اُن کا مطلب "عام بُرائی" بھی ہو سکتا ہے اور "بُرے" سے بھی۔ اِس حوالے میں یہ الفاظ غالباً مؤخر الذکر مطلب کے حامل ہیں" (۳۸)۔ اس عبارت میں جے۔ آئی۔ پیکر کہتے ہیں یونانی الفاظ کا غالباً معنی "بُرے" ہے۔ اپنے اس بیان میں یا تو وہ سچے ہیں یا غلط۔ اگر انہیں سچا مانتے ہیں تو ثابت یہ ہوتا ہے کہ 'کتابِ مقدس' اور 'کلامِ مقدس' دونوں کے مترجمین نامور علما اور قدیم زبانوں کے ماہرین نہیں تھے کیونکہ انہوں نے دونوں اُردو تراجم میں ترجمہ "بُرائی" سے کیا ہے اور اغلب معنی "بُرے" سے نہیں کیا جیسا کہ ہم اوپر دیکھ آئے ہیں۔ عیسائیوں کی انتہائی غالب اکثریت تو اصل زبانوں کو نہ سمجھ سکنے کی بنا پر تراجم پر ہی گذارہ کرتی ہے جب ترجمہ غیر ماہر لوگ کریں گے تو اندازہ کیجئے کہ نتیجہ کیا نکلے گا؟ اور اگر انہیں غلط سمجھیں تو پھر یہ خرابی لازم آتی ہے کہ عیسائی حضرات نہ صرف غلط باتیں لکھتے ہیں بلکہ غلط باتوں پر مبنی کتابوں کا ترجمہ کرکے عوام الناس میں پھیلاتے بھی رہتے ہیں۔ کیونکہ 'مسیحی ایمان کی بنیادیں' تو جے۔ آئی۔ پیکر نے لکھی ہے اور اس کا اُردو ترجمہ وکلف اے سنگھ نے کیا ہے۔ اور جے۔ آئی۔ پیکر صاحب دونوں اُردو تراجم کے مترجمین کے برخلاف بات کر رہے ہیں، جو معنی ان کو اغلب نظر آ رہا ہے اُن مترجمین کو تو نظر نہیں آیا۔

ورس کے دوسرے حصہ میں تحریف کی وضاحت:

پہلے حصے میں پائی جانے والی اِس خرابی پر ایک نظر ڈالنے کے بعد اب اس ورس کے دوسرے حصہ کی طرف آتے ہیں۔ ۱۶۱۱ء میں برطانیہ کے بادشاہ جیمز نے باون (۵۲) مشہور عیسائی علما منتخب کیے۔ ان کے ہاتھوں کنگ جیمز ورژن بنوایا جس نے تقریباً تین صدیوں تک انگریزی بولنے والی دُنیا میں کسی بھی دوسری بائبل کو مغلوب رکھا لیکن جب ۱۸۸۱ء میں اس پر نظر ثانی کر کے ریوائزڈ ورژن (Revised Version) بنایا جانے لگا تو بقول عیسائی علما کے اس میں پانچ ہزار سے زائد غلطیاں پائی گئیں (۳۹)۔ اِن غلطیوں کو شمار کرنے کا اصول یہ تھا کہ اگر ایک لفظ مردود (Rejected Reading) ہے تو ایک غلطی شمار ہوگی اور اگر کئی الفاظ پر مشتمل ایک جملہ مردود عبارت ہے تو بھی ایک غلطی، اسی طرح ایک ہی جگہ پر اکٹھے کئی جملے مردود عبارت ہیں تو بھی ایک غلطی سمجھی گئی۔ بہر حال یہ ترجمہ آج بھی کچھ عیسائیوں کے نزدیک

ایسا واحد ترجمہ ہے جو کلام خُدا ہے اور اس کے سوا باقی ساری بائبلیں اور ان بائبلوں والے کلامِ خُدا کے دُشمن ہیں۔ سرِ دست تو ہمارے لیے اس پیچیدہ اور پریشان کُن صورت حال میں پڑنے کی گنجائش نہیں کہ یہ بائبل کلامِ خُدا ہے یا وہ؟، یا کہ سرے سے کسی بائبل میں بھی کلامِ خُدا محفوظ نہیں ہے؟ لہٰذا اصل مقصد کی طرف توجہ کرتے ہیں۔

یونانی متن کی متی ۶: ۱۳ ورس کا جو حصہ موجودہ عیسائی حضرات کو اچھا نہیں لگا اور انہوں نے اسے اپنی بائبلوں سے نکال باہر کیا ہے وہ درج ذیل ہے:

οτι σου εστιν η βασιλεια και η δοζα εις τους αιωνας. αμην.

کنگ جیمز انگریزی بائبل میں اس کا ترجمہ یوں ہے:

"For thine is the kingdom, and the power, and the glory, for ever. Amen." (40)

کتابِ مقدس کے مطابق اس کا ترجمہ یہ ہے: ''کیونکہ بادشاہی اور قُدرت اور جلال ہمیشہ تیرے ہی ہیں۔ آمین''

اس جگہ بائبلیں جس اختلاف کا شکار ہیں اسے سمجھنے کے لیے ہم ان کے تین گروہ بنا سکتے ہیں۔ پہلا گروہ ایسا ہے جس نے اس عبارت کو ذکر کیا ہے یہ کنگ جیمز ورژن ۱۶۱۱ء اور نیو کنگ جیمز ورژن ۸۲۔ ۱۹۷۹ء ہیں؛ دوسرا گروپ وہ ہے جس نے اس عبارت کو ذکر تو کیا مگر اسے بریکٹ میں ڈال کر اس کے اصلی متن کا حصہ ہونے سے اپنے شک کا اظہار کیا ان میں کتاب مقدس ۱۹۳۰ء اور نیو امریکن سٹینڈرڈ بائبل ۱۹۶۳ء آتے ہیں؛ اور تیسرا گروپ وہ ہے جس نے مذکورہ عبارت کو بالکل خارج از متن کر دیا ہے۔ ان میں ریوائزڈ سٹینڈرڈ ورژن کیتھولک ایڈیشن ۵۷۔ ۱۹۴۶ء، کلام مقدس ۱۹۵۸ء، نیو امریکن بائبل ۱۹۷۰ء، گڈ نیوز بائبل ۱۹۷۶ء، نیو انٹرنیشنل ورژن ۷۸۔ ۱۹۷۳ء کن ٹیمپوریری انگلش ورژن ۱۹۹۶ء، اور دی نیو ریوائزڈ سٹینڈرڈ ورژن کیتھولک ایڈیشن برائے انڈیا ۱۹۹۹ء شامل ہیں۔

اس بیان سے یہ واضح ہوگیا ہوگا کہ اس عبارت کو مکمل طور پر ورس سے خارج کر دینے میں چاروں کیتھولک بائبلیں متفق ہیں جبکہ پروٹسٹنٹ بائبلوں میں کوئی اس عبارت کو ذکر کرتا ہے تو کوئی اسے بریکٹ زدہ کر ڈالتا ہے اور کوئی اسے مکمل طور پر نکال باہر کرتا ہے۔ داخل خارج کا یہ کھیل صرف بائبلوں تک محدود نہیں ہے بلکہ اُن مصادر اور مخطوطوں میں بھی یہ عدمِ اتفاق تسلیم کیا جاتا ہے جن سے یہ بائبلیں بنائی جاتی ہیں۔

اس حصّے کو داخل یا خارج کرتے والے مخطوطے:

ریوائزڈ سٹینڈرڈ ورژن (RSV) کیتھولک ایڈیشن، جسے برطانیہ کی کیتھولک ببلیکل ایسوی ایشن نے تیار کیا

ہے اور اس کا پیش لفظ بوسٹن کے آرچ بشپ رچرڈ کارڈینال کشنگ نے لکھا ہے، میں یہ عبارت ملتی ہے:

n Or *the evil one*. Other authorities, some ancient, add, in some form, *For thine is the kingdom, and the power, and the glory, for ever. Amen.* (41)

نیو انٹرنیشنل ورژن ۱۹۷۳ء۔۷۸ (New International Version) نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے:

Some late manuscripts *one, / for yours is the kingdom and the power and the glory forever. Amen.* (42)

گڈ نیوز بائبل (Good News Bible) والوں کا کہنا ہے:

b 6.13 *Some manuscripts add* For yours is the kingdom, and the power, and the glory for ever. Amen. (43)

کن ٹیمپوریری انگلش ورژن (Contemporary English Version) نے اسی جگہ لکھا ہے:

d6:13 *evil*: Or "the evil one," that is the devil. Some manuscripts add," The kingdom, the power, and the glory are yours forever. Amen." (44)

دی نیو ریوائزڈ سٹینڈرڈ ورژن کیتھولک ایڈیشن برائے انڈیا (The New Revised Standard Version) نے اسی جگہ لکھا ہے:

j Or *from evil*. Other ancient authorities add, in some form, *For yours is the kingdom and the power and the glory are yours forever. Amen.* (45)

اس عبارت کو داخل یا خارج کرنے کے متعلق مندرجہ بالا جو توجیہات پیش کی گئی ہیں اس سے ہمیں دو باتوں کا علم ہوتا ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ یہ عبارت اضافہ ہے اصل متن کا حصہ نہیں تھی۔ دوسری بات کے مزید تین مختلف پہلو بن جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ اضافہ بعض قدیم مخطوطوں یا نسخوں میں کیا گیا ہے۔ یہ ایمان ریوائزڈ سٹینڈرڈ ورژن کیتھولک ایڈیشن اور دی نیو ریوائزڈ سٹینڈرڈ ورژن کیتھولک ایڈیشن برائے انڈیا کے حاشیہ نگاروں کا ہے؛ دوسرا یہ کہ یہ اضافہ قدیم نسخوں میں نہیں بلکہ بعد کے کچھ نسخوں میں کیا گیا ہے۔ یہ عقیدہ نیو انٹرنیشنل ورژن ۱۹۷۳ء۔۷۸ کے حاشیہ نگاروں کا ہے۔ تیسرے پہلو میں وہ اعتقاد ہے جو شکوک وشبہات کے شکار عیسائی علما کا ہے وہ یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ اضافہ ہوا ہے لیکن قدیم یا جدید کا انہیں یقینی علم نہیں اس لیے وہ کہتے ہیں کہ کچھ نسخوں میں یہ عبارت بڑھا دی گئی ہے۔ اس میں گڈ نیوز بائبل اور کن ٹیمپوریری انگلش ورژن والے شامل ہیں۔

زیرِ بحث تحریف کے متعلق زیادہ واضح گواہی:

مندرجہ بالا میں ہم نے جتنے ذرائع سے آیت کے اس حصے کو داخل یا خارج کرنے سے متعلق معلومات جمع کی ہیں وہ یا تو یہ بتاتے ہیں کہ بعض قدیم مخطوطوں میں یہ عبارت بڑھائی گئی یا بعض کے نزدیک یہ اضافہ متاخر مخطوطوں میں ہوا۔ لیکن ڈیوی ایم بیگل (Dewey M. Beegle) صاحب، جو نیویارک میں ایک بائبل سیمنری (مدرسہ) میں عبرانی زبان اور عہد نامہ قدیم کے پروفیسر ہیں، اس معاملے میں زیادہ وضاحت سے ہمیں معلومات فراہم کرتے ہیں۔ انہوں نے مخطوطوں اور تراجم کو دو گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا گروہ ایسے مخطوطوں اور تراجم کا ہے جن میں ورس کا یہ حصہ پایا جاتا ہے اور دوسرا گروہ ایسا ہے جس میں یہ نہیں پایا جاتا۔ ان کے ذکر کردہ پہلے گروہ میں شامل شواہد کو ہم مزید تین انواع میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

۱۔ تراجم: اس کے تحت وہ لکھتے ہیں:

"In all the Protestant English translations from Tyndale through King James the prayer which Christ taught his disciples concludes with the doxology," For thine is the kingdom, and the power, and the glory, for ever. Amen" (46)

ترجمہ: ٹنڈیل سے لیکر کنگ جیمز ورژن تک تمام پروٹسٹنٹ انگریزی تراجم میں وہ دعا جو حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے متبعین کو سکھائی تھی، انہی الفاظ پر ختم ہوتی ہے: ''کیونکہ بادشاہی اور قدرت اور جلال ہمیشہ تیرے ہی ہیں۔ آمین''۔

انگریزی بائبل کی تاریخ بتاتی ہے کہ ٹنڈیل کا ترجمہ ۱۵۲۵۔۱۵۳۵ء کے عرصے میں مکمل ہوا اور کنگ جیمز ورژن ۱۶۱۱ء میں بنایا گیا اور اس نے ۱۸۸۱ء تک تراجم کی دنیا پر اکیلے راج کیا۔ اب بھی کچھ عیسائی فرقے کنگ جیمز ورژن ہی کو کلام خدا مانتے ہیں۔ اس بیان سے کیا یہ معلوم نہیں ہو جاتا کہ ٹنڈیل کے ترجمہ بائبل سے پہلے کی بائبلوں میں ورس کا یہ حصہ نہیں پایا جاتا تھا؟

۲۔ لاطینی اور سریانی مخطوطے:۔ اس کے تحت وہ کہتے ہیں:

In addition the doxology appears in varying form in three Old Latin manuscripts and One Syriac manuscript.

''مزید برآں یہ اختتامیہ تین لاطینی اور ایک سُریانی مخطوطوں میں مختلف عبارتوں کے ساتھ پایا جاتا ہے۔'' (47)

کیا اس کا مطلب یہ نہ ہوا کہ ان تین لاطینی اور ایک سُریانی نُسخوں کے علاوہ باقی لاطینی اور سریانی

نسخوں میں ورس کا یہ حصہ نہیں تھا؟

۳۔ یونانی مخطوطے اور یونانی چھوٹے حروف تہجی والے مسودے (Minuscules): اس سلسلے میں وہ بتاتے ہیں:

"The form of the doxology as given in the King James Version is found in one ninth-century Greek manuscript and in most of the Greek minuscule texts from the twelfth century on."(48)

''دعائے ربانی کا اختتامیہ جیسا کہ یہ کنگ جیمز ورژن میں ہے نویں صدی کے ایک یونانی مخطوطے اور کئی چھوٹے حروف تہجی والے یونانی مسودوں (Minuscules) میں بارہویں صدی کے بعد سے چلا آرہا ہے۔'' کیا یہ عبارت ہمیں یہ نہیں بتاتی کہ نویں صدی کے اس ایک یونانی مخطوطے وغیرہ کے علاوہ باقی یونانی نسخوں میں یہ عبارت نہیں تھی؟

اوپر تینوں جگہوں پر ایک ایک سوال پیدا ہوا تھا اب پروفیسر ڈیوی ایم۔ بیگل (Dewey M. Beegle) کے ذکر کردہ مخطوطوں کے دوسرے گروپ کی طرف آتے ہیں۔ جہاں ہمیں ان تینوں سوالوں کے جوابات بھی مل جاتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"With the exception of the manuscripts noted above, however, all the early Greek and Latin texts omit the doxology. Jerome's Latin Vulgate did not have it, so all the translations based on the Vulgate lack it: for example, John Wyclif's English New Testament 1382, and the Rheims New Testament (1582) which later became a part of the Douy Bible, the traditional English translations for the Roman Catholic Church." (49)

''مندرجہ بالا میں مذکور مخطوطوں کے علاوہ تمام ابتدائی یونانی اور لاطینی متون اس اختتامیہ کو خارج کرتے ہیں۔ جیروم کی لاطینی ولگیٹ میں بھی یہ نہیں تھا اس لیے لاطینی ولگیٹ پر مبنی جتنے بھی تراجم ہوئے ان میں عبارت نہیں ہے۔ مثلاً جان وکلف کا انگلش عہد نامہ جدید ۱۳۸۲ء اور ریمز عہد نامہ جدید ۱۵۸۲ء جو کہ بعد میں ڈوئے بائبل کا حصہ بن گیا اور رومن کیتھولک عیسائیوں کے دوسرے روایتی انگریزی ترجمے۔''

پروفیسر ڈیوی ایم۔ بیگل (Dewey M. Beegle) کی اس غیر مبہم اور صاف عبارت نے بالکل واضح کر دیا ہے کہ بائبل کے نسخوں اور مخطوطوں میں قدیم زمانے سے ہی ردّ و بدل اور تحریف کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ اگر توراۃ، انجیل اور دوسرے صحائف انبیاء میں تحریف نہیں ہوئی جیسا کہ ہم وطن عیسائی برادری کے بعض مصنفین دعویٰ کرتے ہیں تو پھر بائبل کے نسخوں اور ان کی عبارتوں میں داخل خارج کا مذکورہ سلسلہ

کیا اور کیوں ہے؟ قارئین کرام خود فیصلہ کریں کہ وہ کتاب مقدس جس کی بعض عبارتیں اس کے کچھ مخطوطوں اور نسخوں میں تو پائی جائیں اور بعض میں نہ پائی جائیں، اس کا متن کس معنیٰ میں محفوظ ہوگا؟ خاص طور پر ایسی کتاب جب مدارِ ایمان وعمل ہوگی تو کیا نتیجہ نکلے گا؟

ہم وطن عیسائی برادری کا اعترافِ تحریف:

پاکستانی عیسائی برادری کے بعض مصنفین بھی اس تحریف کا انکار نہیں کرتے بلکہ اپنی تصانیف میں اسے مانتے اور اس کا اعتراف کرتے ہیں۔ مثلاً جے. آئی. پیکر نے (I WANT TO BE A CHRISTIAN) کے نام سے کتاب لکھی اسے قابلِ اعتماد مانتے ہوئے اس کا اردو ترجمہ وکلف۔ اے سنگھ نے 'مسیحی ایمان کی بنیادیں' کے نام سے کیا اور مسیحی اشاعت خانہ والوں نے اسے شائع کردیا۔ یہ سارا معاملہ بتاتا ہے کہ ہم وطن عیسائیوں کے نزدیک یہ کتاب اہم اور قابلِ اعتماد ہے۔ اس کتاب میں یہ عبارت بھی پائی جاتی ہے: ''کلماتِ حمد جن سے دُعائے ربانی کا اختتام ہوتا ہے، اگرچہ قدیم نُسخوں میں نہیں ملتے تاہم روایت یہی ہے۔'' (۵۰) کیا ایک عبارت کا بعض نُسخوں میں پایا جانا اور بعض میں نہ پایا جانا تحریف اور غیر محفوظ متن کی دلیل نہیں ہے؟

اگر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ وَرس کے اس ٹکڑے میں ربِ تعالیٰ کی بادشاہی، قدرت اور جلال کا ذکر ہے۔ گویا ربِ تعالیٰ کی ان صفات کو بیان کرنے والی یہ عبارت بقول بعض، ابتدا میں نہیں تھی بعد میں اضافہ ہوگئی۔ اس معاملے میں جس شخص نے بھی جُرأت کی اُسے خُدا کے کلام میں اضافہ کرنے پر شرم نہ آئی۔ یہ آدمی خود بائبل پر ایمان رکھنے والا تھا یا نہیں؟ اسے خُدا کا خوف تھا یا نہیں؟ اسے یہ علم تھا کہ وہ خُدا کے کلام کو بگاڑ رہا ہے یا اسے علم نہیں تھا؟ یہ ایک عیسائی کا کارنامہ ہے یا کہ عیسائیوں کے بگڑے ہوئے گروہوں کا؟ اس کا حقیقی علم تو علیم بذات الصدور خالقِ کائنات کو ہے اور خود عیسائی برادری کے علما کو بھی شاید ہوگا۔ ان سوالوں کا جواب کچھ بھی ہو تحریف کا کام کردیا گیا۔ سوال یہ ہے کہ بائبل پر پورے اخلاص سے ایمان رکھنے والے کہاں گئے تھے کہ ایسے نسخے کی لوگوں میں اشاعت سے پہلے اسے ضبط کر لیتے اور اللہ کا کلام محفوظ اور اصلی حالت پر رہتا؟

مذکورہ بحث میں بائبل کی صرف ایک ورس کے حوالے سے تحریفِ بائبل پر بات کی گئی ہے۔ اس کا یہ مطلب یہ نہیں ہے کہ بائبل کی باقی عبارتیں مبنی بر صحت ہیں اور ان میں کوئی اختلاف یا ردّ و بدل نہیں ہوا۔ بائبل کے نسخوں میں لاتعداد ایسے اختلافات پائے جاتے ہیں جن کا سلسلہ عیسائیت کے آغاز سے ہی شروع ہوگیا تھا۔ ڈاکٹر آدم کلارک اس حقیقت کو ان الفاظ میں سامنے لاتا ہے:

There is no doubt that original MSS. differ amongst themselves; for when the Christians dispersed they carried several MSS. along with them separately. Certainly each group had at least one MSS. [*sic*] with it. And in many cases these MSS differed from the original one; consequently their copies would also differ amongst themselves; and in this way, the number of various readings multiplied. (51)

ترجمہ: ''اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اصل مخطوطے خود آپس میں مخالف ہیں کیونکہ جب عیسائی بکھرے تو اپنے ساتھ کئی مخطوطے بھی علیحدہ طور پر لے گئے۔ یقیناً ہر گروہ کے پاس اپنا کم از کم ایک مخطوطہ ضرور تھا۔ اور کئی معاملات میں یہ مخطوطے اصلی نسخے سے مختلف تھے۔ نتیجہ یہ کہ ان مخطوطوں سے کی جانے والی نقول بھی باہم مختلف بنتی گئیں۔ اس طریقے سے اختلافی عبارتیں بڑھتی چلی گئیں۔''

کچھ عیسائی علما نے جب ان اختلافی عبارتوں کو شمار کیا تو درج ذیل نتائج برآمد ہوئے:

Dr. Mill counted these various readings and they numbered 30,000. Dr. Grieshbach, who spent more than 30 years in this task, counted more than 300,000 various readings, in the MSS. of the New Testament alone. (52)

ترجمہ: ''ڈاکٹر مِل نے ان اختلافی عبارتوں کی گنتی کی تو ان کی تعداد تیس ہزار نکلی۔ ڈاکٹر گریسباخ جس نے اس کام پر تیس سال صرف کیے اب اس نے گنتی کی تو صرف عہد نامہ جدید میں ایسی عبارتوں کی تعداد تین لاکھ تھی۔''

دعوت الی الحق:

مندرجہ بالا بحث ہمیں جب اس نتیجے تک پہنچاتی ہے کہ سابقہ آسمانی کتب مقدسہ اب اصلی متن کی حامل نہیں، بائبل میں اتنا ردّ و بدل کیا گیا کہ اصل اور نقل میں فرق کرنا ممکن نہیں رہا اور یہود و نصاریٰ کے علما نے اللہ کا کلام آنے والی نسلوں تک اصلی اور حقیقی صورت میں نہیں پہنچایا تو خوشی، مسرت اور شادمانی کی بات یہ ہے کہ اللہ کے کلام قرآن حکیم کے ساتھ ایسا نہیں ہوا۔ اگرچہ دشمنوں نے بڑی بڑی تحقیقات کی ہیں لیکن انہیں اس محفوظ کلام الٰہی میں کوئی ردّ و بدل یا تحریف نہیں ملی۔ ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم نے عیسائی علما کی قرآن مجید کے متعلق تحقیقات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: ''جرمنی ہی میں میونخ یونیورسٹی میں ایک ادارہ قائم کیا گیا ''قرآن مجید کی تحقیقات کا ادارہ''۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ ساری دُنیا سے قرآن مجید کے قدیم

ترین دستیاب نسخے خرید کر، فوٹو لے کر، جس طرح بھی ممکن ہو جمع کیے جائیں۔ جمع کرنے کا یہ سلسلہ تین نسلوں تک جاری رہا۔ جب میں ۱۹۳۳ء میں پیرس یونیورسٹی میں تھا تو اس کا تیسرا ڈائرکٹر پرٹیشل، پیرس آیا تھا تا کہ پیرس کی لائبریری میں قرآن مجید کے جو قدیم نسخے پائے جاتے ہیں ان کی فوٹو حاصل کرے۔ اس پروفیسر نے مجھ سے شخصاً بیان کیا کہ اس وقت (یہ ۱۹۳۳ء کی بات ہے) ہمارے انسٹی ٹیوٹ میں قرآن مجید کے بیالیس ہزار (۴۲،۰۰۰) نسخوں کے فوٹو اسٹیٹ موجود ہیں، اور مقابلے (collation) کا کام جاری ہے۔ دوسری جنگِ عظیم میں اس ادارے کی عمارت پر ایک امریکی بم گرا اور عمارت اور اس کا کتب خانہ، سب کچھ برباد ہو گیا۔ لیکن جنگ شروع ہونے سے کچھ ہی پہلے ایک عارضی رپورٹ شائع ہوئی تھی۔ اس رپورٹ کے الفاظ یہ ہیں کہ قرآن مجید کے نسخوں میں مقابلے کا جو کام ہم نے شروع کیا تھا، وہ ابھی مکمل تو نہیں ہوا لیکن اب تک جو نتیجہ نکلا ہے وہ یہ ہے کہ ان نسخوں میں کہیں کہیں کتابت کی غلطیاں تو ملتی ہیں لیکن اختلافِ روایت ایک بھی نہیں۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ کتابت کی جو غلطی ایک نسخے میں ہوگی وہ کئی دوسرے نسخوں میں نہیں ہوگی۔ مثلاً فرض کیجیے "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" میں "الرحمٰن" کا لفظ نہیں۔ لیکن یہ صرف ایک نسخے میں ہے باقی کسی نسخے میں ایسا نہیں ہے سب میں "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" ہے اس کو ہم کاتب کی غلطی قرار دیں گے یا کہیں کوئی لفظ بڑھ گیا ہے۔ مثلاً ایک نسخے میں "بسم اللہ اللہ الرحمٰن الرحیم" ہے باقی نسخوں میں نہیں ہے تو اسے کاتب کی غلطی کہیں گے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایسی چیزیں کہیں کہیں سہوِ قلم یعنی کاتب کی غلطی سے ملتی ہیں۔ لیکن اختلافِ روایت نہیں، یعنی ایک فرق کئی نسخوں میں ملے، ایسا کہیں نہیں ہے۔" (۵۳)

اوپر ہم بائبل کے متن کی صحت کے بارے میں جو کچھ نقل کر آئے ہیں وہ بھی عیسائی علما کی تحقیقات ہیں اور جو کچھ قرآن کے متن کے متعلق ذکر کیا ہے وہ بھی انہیں کے بعض انصاف پسند محققین کی بحث وتمحیص کے نتائج ہیں۔ اب فیصلہ حق کے سچے متلاشیوں پر چھوڑتے ہیں کہ وہ ردّ و بدل اور شکوک و شبہات سے پُر بائبل کو مدارِ ایمان بنا کر دُنیا اور آخرت میں ناکامی کی طرف لے جانے والا راستہ اختیار کرتے ہیں یا محفوظ، شک وشبہ سے بالا اور تحریف سے سو فیصد پاک قرآن کو اپنا کر فوز و فلاح کے ضابطۂ حیات کو ترجیح دیتے ہیں؟

□ صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے □

وصلیٰ اللّٰہ تعالیٰ علیٰ سیدنا و نبینا و حبیبنا محمد وعلیٰ آلہ و صحبہ اجمعین

= حوالہ جات =

(1) James P. Boyd, Boyd's Bible Dictionary, (USA:Holman Bible Publishers Nashville, nd), P.60.

(2) Ebind B. Mellor (ed.), The Making Of The Old Testament, (Cambridge: At The University Press 1972), P.133 - 134-

(۳) پال ارنسٹ، خُدا کی کتاب، (کراچی: کیتھی کیٹیکل سنٹر، ۱۹۸۵ء)، ص ۱۷۔

(4) Ron Rhodes, Reasoning from the Scripture with Muslims, (Oregon: Harvest House Publishers, 2002), p. 7

(5) Samuel C. Gipp, Understandable HISTORY of the BIBLE, (Northfield, Ohio: Day Star Publishing, 2nd ed., 2000), p.9.

(6) Ibid.

(7) Ibid, p.33.

(8) Ibid, p.38.

(9)Dr. Timothy Tow, Reformation:Retrospect, Introespect And Prospect, (Singapore: Marantha Bible- presbyterian Church, 1999), p. iii (foreward)

(10) Understandable HISTORY of the BIBLE, op. cit., p.23.

(11) Geo Widengren, HISTORIA RELIGIONUM, (LEIDEN: E.J. BRILL, 1969), p. 231.

(12) Dr. M.H. Durrani, The Forgotten Gospel of St. Barnabas, (New Delhi, India: Kitab Bhavan, 1998), p. 2

(13) Understandable HISTORY of the BIBLE, op. cit., p. 108.

(14) THE GREEK NEW TESTAMENT, (West Germany: United Bible Societies, 3rd. ed., 1984), p.v.

(15) Journal Of Christian Reconstruction, (USA: Vallecito,CA 1989),Vol.12, No.2, p. 8.

(۱۶) سورۃ یوسف:۷۶۔

(17) Journal Of Christian Reconstruction, op. cit., p.11.

(۱۸) سورۃ البقرۃ:۷۹۔

(۱۹) سورۃ التوبۃ: ۳۶۔

(20) Abdullah Yusuf Ali ,*THE HOLY QURAN: Translation and commentary*, (Islamabad: Da'wah Academy, nd), p. 336.

(21) *Journal Of Christian Reconstruction*, op. cit., p. 8.

(22) Ibid.

(23) *Understandable HISTORY of the BIBLE*, op. cit., p. 418; See also: *TheTIME*, March 25, 2002/Vol. 159 No. 11, pp. 46-47; April 1, 2002/Vol. 159 No.12, pp. 36-46; *The NEWSWEEK*, April 8/April 15, 2002, pp. 72-74.

(۲۴) امام ابوعیسٰی محمد بن سورۃ، جامع الترمذی، (کراچی: ایچ ایم سعید کمپنی)، ج۲، ابواب الایمان، ص۹۲۔

(۲۵) ڈاکٹر حمید اللہ، خطبات بہاولپور، (بہاولپور: اسلامیہ یونیورسٹی، اشاعت اول ۱۴۰۱ھ)، ص ۲۴۱۔۲۴۲۔

(26) Fr. Frank Chacon, *BEGINNING APOLOGETICS I*, (USA: San Juan Catholics Seminars, Farmington, NM, 1993-1998), p, 7.

(27) *International Bulletin of Missionary Research*, January 2000, p.23, David B. Barrett & Todd M. Johnson; *MISSION TODAY*, Jul-Sep 2000, vol. II, No. 3, p.405.

(28) *Focus*, (Multan: The Pastoral Institute, 2002),Vol. 22, No. 1, p.16.

(۲۹) خطبات بہاولپور، حوالہ مذکور، ص ۱۵۔

(۳۰) لندن کی ٹرینی ٹیرین بائبل سوسائٹی (The Trinitarian Bible Society) کے شائع کردہ متن کو متنِ مقبول (The Textus Receptus) کہا جاتا ہے۔ متنِ مقبول کی چند لفظوں میں کہانی یہ ہے کہ اسے اِرَسمس (Desiderius Erasmus) نامی عیسائی عالم نے چند مخطوطوں سے اخذ کرکے پہلا ایڈیشن باسل (Basle) سے ۱۵۱۶ء میں شائع کیا تھا۔ اس نے خود اور اس کے بعد آنے والے کئی عیسائی علما نے چند ایک مخطوطوں سے ماخوذ اس متن میں ردّ و بدل کو جاری رکھتے ہوئے ۱۶۴۱ء تک کئی ایڈیشن شائع کیے۔ بعض عیسائیوں کے بقول ۱۶۳۳ء اور ۱۶۴۱ء کے ایڈیشنوں سے اس متن کو متنِ مقبول کے نام سے شہرت حاصل ہوئی۔ آج کل اگرچہ عیسائیوں کی کثیر تعداد اس متن کو ردّ کر چکی ہے لیکن فنڈامنٹلسٹ پیٹسٹ عیسائی اس متن (Text) کے بڑے پُرجوش حامی ہیں۔

(31) *H KAINH ΔΙΑΘΗΚΗ*, (London: The Trinitarian Bible Society,

5m/09/00), p.10

(۳۲) نیسلے آلینڈ یونانی متن کی تشکیل کا قصہ یوں ہے کہ ۱۹۵۵ء میں امریکن بائبل سوسائٹی، نیشنل بائبل سوسائٹی اور ووڑ ٹمبرگ بائبل سوسائٹی تینوں نے مل کر بین الاقوامی اور بین الفرق علمائے تنقید متن کی ایک کمیٹی مقرر کی۔ کچھ عرصہ بعد میں نیدر لینڈ بائبل سوسائٹی اور برٹش اور فارن بائبل سوسائٹی بھی اس منصوبے کی کامیابی کے لیے شریک کار بن گئی۔ ان پانچ سوسائٹیوں کی زیر سرپرستی تیار کیے جانے والے متن کا پہلا ایڈیشن ۱۹۶۵ء میں شائع ہوا۔ انہوں نے ۱۹۷۵ء جب اس تشکیل نو شدہ متن کا تیسرا ایڈیشن شائع کیا تو اس کے متن میں پانچ سو تبدیلیاں کیں۔: As a result of the Committee's discussions, more than five hundred changes have been introduced into this Third Edition. p. viii ان سوسائٹیوں کا شائع کردہ یہ تیسرا ایڈیشن نیسلے آلینڈ کا چھبیسواں ایڈیشن بھی کہلاتا ہے۔

(33) *The Greek New Testament*, op. cit., p. 18

(۳۴) دیکھیے: *Contemporary English Version*, (New York: American Bible Society, 1995), p.988, d6:13 *evil*

(۳۵) قومی انگریزی اُردو لغت (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان پاکستان، طبع ۴، ۱۹۹۹ء) ص ۵۶۴، کالم ۱۔

(36) Alton Bryant, T., (ed.), *The New Compact BIBLE Dictionary*, (Michigan: Zondervan Publishing House, 1967), p.132

(37) *Vine's Concise Dictionary Of The Bible*, (Nashville: Thomas Nelson Publishers, 1999), p.93.

(۳۸) جے۔ آئی۔ پیکر، مسیحی ایمان کی بنیادیں، مترجم: وکلف۔ اے سنگھ (لاہور: مسیحی اشاعت خانہ، بار دوم، ۱۹۹۴ء)، ص ۱۳۷۔

(39). Dewey M. Beegle, *God's Word Into English* (New York: Harper & Brothers, Publishers, 1960), p. 32.

(40) *King James Version*, Mtthew 6:13.

(41) *Revised Standard Version (Catholic Edition)*, (San Francisco: Ignatius Press, 1966), p.5.

(42) *New International Version*, (Colorado Springs: International Bible Society, 1997), p. 721.

(43) <u>*Good News Bible*</u>, (UK: The Bible Societies, 2nd. ed., 1994), p. 9.

(44) <u>*Contemporary English Version*</u>, op.cit., p. 988.

(45) <u>*The New Revised Standard Version*</u>, (Bangalore: Theological Publications, 1999), p.6.

(46) <u>*God's Word Into English*</u>,op.cit., p. 22

(47) Ibid.

(48) Ibid, p. 23.

(49) Ibid.

(۵۰) مسیحی ایمان کی بنیادیں، حوالہ مذکور، ص ۱۳۹۔

(51) Clarke, A., <u>*Commentary On The New Testament*</u>, (New York: 1831), quoted by Yousuf Salim Chisti, <u>*What is Christianity*</u>, (Karachi: World Federation of Islamic Missions, 2nd ,1992), pp. 17-18

(52) Yousuf Salim Chisti, <u>*What is Christianity*</u>, op. cit., p 18; See also: Adam Fox, <u>*Meet The Greek New Testament*</u>, (London: SCM Press, 1952), p. 11

(۵۳) خطبات بہاولپور، حوالہ مذکور، ص ۱۵۔۱۶۔

نظر ثانی: جمعرات ۲۴/ جولائی ۲۰۰۳ء

0000000

بشکریہ جناب خلیل احمد رانا صاحب

پیشکش:۔ محمد احمد ترازی

خطیب اعظم حضرت مولانا محمد شفیع اوکاڑوی کا 20 واں سالانہ عرس مبارک

جماعتِ اہل سنت کے بانی خطیب اعظم حضرت مولانا محمد شفیع اوکاڑوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا 20 واں سالانہ دو روزہ مرکزی عرس مبارک جامع مسجد گل زار حبیب، گلستانِ اوکاڑوی میں نہایت عقیدت و احترام سے منایا گیا، تقریبات میں ملک اور بیرون ملک سے علما و مشائخ اور عقیدت مند حضرات و خواتین کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔ متعدد تنظیموں، خانقاہوں اور حلقوں کی طرف سے خطیب اعظم کے مرقد مبارک پر چادر پوشی و گل پاشی کی گئی۔ مرکزی عرس مبارک کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے جنوبی افریقہ کے ممتاز عالم دین مفتی محمد اکبر ہزاروی نے کہا کہ رسول اکرم ﷺ کی مدح و ثناء بارگاہِ الٰہی میں یقینی طور پر مقبول ہے اور جس ہستی کا نصب العین اور مقصدِ حیات ہی مدحتِ مصطفیٰ ﷺ ہو وہ بلاشبہ خود بھی مقبولِ الٰہی ہے۔ چنانچہ مولانا اوکاڑوی نے ثنائے رسول سے وہ مقبولیت پائی جو آج بھی مثالی ہے۔ وہ تمام عمر لوگوں کو نظامِ مصطفیٰ اور مقامِ مصطفیٰ سے متعارف کرواتے رہے اور راہِ حق میں انہوں نے کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا اور وہ مرتبت پائی جس پر دنیا رشک کرتی ہے۔ صاحب زادہ محمد فضل الرحمٰن اشرفی نے کہا کہ حضرت خطیب اعظم حق و صداقت پر استقامت اور دین کے لیے مسلسل جدوجہد کے حوالے سے گروہِ علما میں نمایاں اور ممتاز ہیں۔ پیر سید عظمت علی شاہ ہمدانی نے کہا کہ دنیا بھر کے اہل ایمان میں حضرت مولانا اوکاڑوی کا ذکر آج بھی ہر طرف محبت سے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں کمالات و برکات کا پیکرِ جمیل بنایا تھا۔ مخدوم زادہ سید محمد اشرف جیلانی نے کہا کہ حضرت خطیب اعظم اہلسنت کی جان تھے اور حق کے سچے ترجمان تھے اور ان کی خطابت نے سیکڑوں کو عالم اور خطیب بنایا ان کا نام اور کام بلاشبہ قابل فخر ہے۔ وہ صدق و اخلاص اور عزیمت کے پیکر تھے۔ سابق وفاقی وزیر حاجی محمد حنیف طیب نے کہا کہ خواص و عوام سبھی کو اعتراف ہے کہ حضرت مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ بے مثال خطیب تھے انہوں نے لاکھوں کو راہِ حق پر گامزن کیا۔ مفتی غلام یاسین اوکاڑوی نے کہا کہ خطیب اعظم نے محنت سے عظمت پائی اور عزت والے نصب العین کو اپنا کر اس کا حق ادا کیا اور ان کے اساتذہ و مشائخ کو بھی ان پر فخر رہا۔ مفتی محمد اسلم نعیمی نے کہا کہ کھرے اور کھوٹے کی پہچان حضرت خطیب اعظم نے کرائی اور یہ ناقابل تردید حقیقت ہے کہ وہ آفتابِ خطابت تھے۔ انجمن نوجوانانِ اسلام کے سربراہ طارق محبوب نے کہا کہ خطیب اعظم نے ملت کی ذہن سازی کی اور سچ سے وابستہ کیا وہ ہم سب کے قافلہ سالار ہیں۔ سنی تحریک کے افتخار بھٹی نے کہا کہ عام فہم انداز میں دینِ حق سکھانے اور اسوۂ حسینی کی پیروی میں حضرت مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ مولانا ابرار احمد رحمانی نے کہا کہ خطیب اعظم کا ملت اسلامیہ پر احسانِ عظیم ہے کہ انہوں نے سمتوں میں پیغامِ حق پہنچایا اور لافانی نقوش قائم کیے۔ مولانا محمد شاہدین اشرفی نے کہا کہ حضرت خطیب اعظم کو اللہ تعالیٰ نے اَن گنت اوصاف سے نوازا تھا وہ فروغِ علم کے لیے ایسے کام کر گئے ہیں کہ ان کے قائم کیے ہوئے مدارس اور مساجد وغیرہ ہر

لمحے ان کے درجات میں بلندی کا سبب ہیں۔ مولانا صوفی محمد لطیف نقشبندی نے کہا کہ میرے برادر اکبر حضرت مولانا اوکاڑوی کی یادیں اور یادگاریں آج بھی محبوب و محترم ہیں۔ پیر سید محمد عارف شاہ اویسی نے خصوصی خطاب میں حضرت خطیب اعظم مولانا محمد شفیع اوکاڑوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو والہانہ خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ وہ صاحب علم لدنی تھے اور رسول کریم ﷺ کی بارگاہ میں ان کی مقبولیت کا اہل علم و فضل نے مشاہدہ کیا ہے ان کی شاہکار تصنیف ذکرِ جمیل ان کے عشق رسول کا واضح اور مثالی ثبوت ہے۔ مولانا محمد رمضان گلزر نے کہا کہ حضرت خطیب اعظم اپنی مثال آپ تھے ان سا خطیب صدیوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ تمام مقررین نے حضرت مولانا اوکاڑوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فرزند و جانشین علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی کو ان کے والدِ گرامی کی زندہ کرامت قرار دیتے ہوئے انہیں ان کی خدمات، حق گوئی اور مسلکِ حق کے لیے مخلصانہ مسلسل جدو جہد پر خراج تحسین پیش کیا۔ علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی نے کہا کہ میرے والدِ گرامی نے وسائل کی کمی اور میڈیا کے بغیر بھی وہ مقبولیت اور شہرت پائی کہ ان کے دور میں بچہ بچہ ان سے واقف تھا، یہ صرف اللہ تعالیٰ کے کرم اور رسول کریم ﷺ کی خاص نظر عنایت تھی کہ وہ اپنی تحریر و تقریر اور ذات و صفات میں یگانہ روزگار تھے۔ اجتماع میں ایصال ثواب کرتے ہوئے دو ہزار پانچ سو پچاس مرتبہ قرآن کریم کی تلاوت اور سات کروڑ اسی لاکھ مرتبہ درود شریف کے ورد کا ہدیہ پیش کیا گیا اور اس ہدیے میں مجلسِ خواتین گل زار حبیب کا حصہ نمایاں تھا۔ عرس مبارک کے اجتماع میں شرکاء کو ملٹی میڈیا اسکرین کے ذریعے تین سو مقدس مقامات و مزارات اور تبرکات کی زیارت کروائی گئی۔ اختتام دعا علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی نے کی۔ دنیا بھر کے ۳۶ ممالک میں عقیدت و احترام سے مساجد و مراکزِ اہل سنت میں یوم خطیب اعظم منایا گیا اور اجتماعی طور پر ایصال ثواب کے لیے فاتحہ خوانی ہوئی۔ عرس شریف کی تقریبات میں تاج العلما مولانا محمد عمر نعیمی کے فرزند مولانا محمد طیب نعیمی، کینیڈا سے ڈاکٹر محمد سبحانی اوکاڑوی، صاحب زادہ حامد ربانی اوکاڑوی، راول پنڈی سے الحاج شیخ محمد اعظم نقشبندی، شیخ محمد سجاد، فیصل آباد سے الحاج شیخ محمد افضل نقشبندی، شیخ جاوید اقبال، شیخ محمد آفتاب، چشتیاں شریف سے الحاج شیخ منظور احمد، شیخ محمد یونس، شیخ محمد احمد، گوجراں والا سے شیخ محمد خلیل، صوفی عنایت اللہ، اوکاڑا سے الحاج شیخ محمد اکرم، صوفی محمد اسلم، کوٹ غلام محمد سے الحاج محمد توفیق قائم خانی، محمد افتخار قائم خانی، مسجد غوثیہ کے ٹرسٹی جناب محمد معید، جناب نور الحق، جمعیت اشاعت اہل سنت کے مولانا محمد عرفان قادری، انجمن مجاہدین مصطفیٰ کے محمد اکبر نقشبندی اور متعدد معززین نے خصوصی شرکت کی۔ انجمن نوجوانان اہل سنت، سنی تحریک اور بزم فیضانِ وارثیہ نے اپنے مراکز میں عرس شریف کی تقریبات منعقد کیں۔ روزنامہ جنگ کراچی اور روزنامہ نوائے وقت کراچی نے یوم خطیب اعظم کے موقع پر خصوصی مضامین شائع کیے۔ نبیرۂ قطب مدینہ علامہ شیخ رضوان فضل الرحمٰن نے معتقدین کے ساتھ عرس مبارک سے ایک شب قبل حضرت خطیب اعظم علیہ الرحمۃ کے مزار پر فاتحہ خوانی کی۔ حضرت خطیب اعظم کا 21 واں سالانہ عرس مبارک ماہِ رجب کی تیسری جمعرات و جمعہ ۲۔۳ ستمبر ۲۰۰۴ء کو منایا جائے گا۔ 00000

رضا نامے

علامہ عبدالمبین نعمانی، دارالعلوم قادریہ، چریا کوٹ، مئو، یوپی

آپ کا مکتوب گرامی آیا تھا۔ پھر دو شمارے افکار رضا کے ملے، جنوری تا جون ۲۰۰۳ء۔ ہر شماروں کا مطالعہ حسب سابق اچھے اور عمدہ مقالات پر مشتمل ہیں۔ اپریل۔جون ۲۰۰۳ء کے شمارہ میں ''اعلیٰ حضرت کے روحانی اقدار'' مضمون پر مضمون نگار کا نام نہیں ہے۔ شاید بھول سے رہ گیا، اگر معلوم ہو تو آئندہ شمارہ میں واضح کردیں۔ (نوٹ: یہ مضمون ماہنامہ ''منہاج القرآن'' کے سابقہ شمارہ سے لیا گیا ہے جس پر مضمون نگار کا نام نہیں تھا۔ مدیر) عیسائیوں اور مستشرقین کے رد میں جو مضامین شائع ہوئے ہیں وہ بڑے معلوماتی اور اہمیت کے حامل ہیں۔ اپریل۔ جون ہی کے شمارے میں محترم الحاج محمد سعید بھائی نوری اور رضا اکیڈمی کا تعارف بھی بڑا معلوماتی ہے، ضرورت تھی کہ رضا اکیڈمی اور محترم سعید نوری صاحب کی خدمات کو اجاگر کیا جائے تا کہ دوسرے سنّی حضرات بھی اُن سے سبق لیں اور اپنے اپنے طور پر سنّیت کی خدمات کے لیے میدانِ عمل میں کود جائیں۔

جنوری۔ مارچ کے شمارے میں صفحہ ۲۵ پر امیر حسن علاء سنجری کو کئی جگہ اعلا سنجری لکھا ہے، شاید اس کی تصحیح نہ ہوسکی یا اصل مسودے ہی میں اعلا رہا ہو۔ عالی جناب ادیب شہیر صابر سنبھلی صاحب کا مسلسل مضمون ''کنزالایمان کا ادبی و لسانی جائزہ'' اپنی روایتی شان سے جاری و خوب ہے۔ خدا کرے یہ مکمل طور پر کنزالایمان کو محیط ہوکر جلد منظر عام پر آئے اور ادبی دنیا کو متاثر کرے۔ سچ پوچھیے تو اس جہت سے یہ کام پہلا کارنامہ ہے جو اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ اور کنزالایمان کے تعلق سے منظر عام پر آرہا ہے۔ نیک دعاؤں کے ساتھ رخصت چاہتا ہوں۔

ڈاکٹر جبّار علی انصاری، جامعہ فضلِ رحمانیہ، سدھ پور، سیتا پور، یوپی

تقریباً ٦ر سال سے مسلسل ''افکار رضا'' کا مطالعہ کررہا ہوں۔ اس رسالہ نے قرب و جوار میں حقانیت کا جو سر بلند کیا ہے وہ بیان سے باہر ہے۔ بے شمار وہابی و دیوبندی راہِ مستقیم پر آگئے۔ اور اہلِ سنّت کے ایمان کو تقویت اور مسلکِ اعلیٰ حضرت کو سمجھنے میں بڑا تعاون کررہا ہے۔

پروفیسر صابر سنبھلی صاحب کا کنزالایمان کا تنقیدی و تحقیقی قسط وار جائزہ یقیناً مطالعہ کی چیز ہے۔ اسے کتابی شکل میں شایع کرنے کی ضرورت ہے۔ مبارک باد کے مستحق ہیں۔

مکرمی قادری صاحب! آپ کا اداریہ، آپ کا سفرِ پاکستان پر مبنی روداد نے تو نئی ایمانی دنیا کی سیر کرادی تھی۔ پوری سنّی دنیا میں کیا ہورہا ہے۔ اور ہمارے سنّی علما کی جدوجہد کیا ہے۔ کہاں کہاں سے کون کون سی کتابیں شایع ہورہی ہیں، منجملہ معلومات کے لیے صرف ''افکار رضا'' کا مطالعہ ہی ناگزیر ہے۔ یقیناً آپ کا یہ کارنامہ حرفِ زرّیں سے تحریر کیے جانے کا مستحق ہے۔ خداوندِ تعالیٰ آپ کو اور ''افکار رضا'' کو عمرِ خضر عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی، ۳۵۔بی، سندھی مسلم ہاؤسنگ سوسائٹی، کراچی، پاکستان

اللہ کریم جلّ شانہٗ اپنے حبیب کریم ﷺ کے صدقے ہم سب کو مسلکِ حق اہل سُنّت و جماعت پر استقامت اور اس کی صحیح خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ ۲۷ر جولائی ۲۰۰۳ء کو برطانیا کے شہر برمنگھم میں ساتویں عالمی سُنّی کانفرنس میں جماعتِ اہل سُنّت برطانیا کی طرف سے مدعو تھا، سفر سے قبل ایک ہفتہ شدید علالت نے نڈھال کر دیا تھا لیکن وعدے کے مطابق سفر کیا اور تین ہفتے سفر میں رہا۔ ساتویں عالمی سُنّی کانفرنس، برمنگھم میں بڑے اہتمام سے ہوئی۔

جماعت اہلِ سنت برطانیا کے سرپرست حضرت علامہ مفتی محمد گل رحمٰن قادری، مولانا رسول بخش سعیدی، مولانا قاری خلیل احمد حقانی، مولانا مصباح المالک لقمانوی، مولانا نیاز احمد صدیقی، مولانا محمد بوستان القادری، مولانا قاری حفیظ الرحمٰن چشتی، مولانا غلام رسول آف چک سواری، پیرزادہ سردار احمد قادری، حافظ سعید احمد مکی، حاجی محبوب الرحمٰن قادری و دیگر ارکانِ جماعت نے شبانہ روز محنت کر کے نمایاں پذیرائی پائی۔ حضرت الحاج پیر محمد علاء الدین صدیقی، حضرت پیر سید معروف حسین شاہ عارف نوشاہی، حضرت پیر محمد عتیق الرحمٰن آف ڈھانگری، سلطان نیاز الحسن قادری اور الحاج صوفی محمد عبد اللہ آف گھمکول شریف نے خصوصی شرکت کی۔

علمائے کرام بڑی تعداد میں شامل ہوئے، جماعت اہلِ سنت بنگلہ دیش کے علما بھی شریک ہوئے۔ برطانیا کے اخبارات روزنامہ جنگ لندن، روزنامہ اوصاف لندن، روزنامہ نیشن لندن ہفت روزہ نوائے وقت لندن اور پاکستان پوسٹ اور کشمیر پوسٹ نے اس کانفرنس کی کئی دن رُوداد شائع کی۔ مجھے مرکزی خطاب کے لیے خصوصی مہمان کی حیثیت سے مدعو کیا گیا تھا اور جنوبی افریقہ سے دارالعلوم پری ٹوریا کے ڈپٹی پرنسل مولانا حافظ محمد اسمٰعیل ہزاروی صاحب بھی خصوصی مہمان تھے۔ ۱۰ اگست کو وٹ فورڈ لندن میں ختمِ نبوت کونسل برطانیا کے زیرِ اہتمام دسویں سالانہ ختمِ نبوت کانفرنس میں ظہر کے بعد اور اسی شام عصر کے بعد برمنگھم میں یورپین مسلم کونسل کے زیرِ اہتمام "عالمی پیغامِ امن کانفرنس" میں خصوصی خطاب کے لیے وعدہ تھا۔ ان تین عالمی کانفرنسوں میں شرکت کے علاوہ برینٹ لندن، ہائی ویکمب، بریڈ فورڈ، ایل فورڈ، ڈربی میں اور برمنگھم شہر میں متعدد اجتماعات میں خطاب کا سلسلہ رہا۔ سب سے زیادہ اہم وہ نشستیں رہیں جو یونیورسٹیوں کے طلبہ سے سوال و جواب کی ہوئیں۔ ان تمام اجتماعات کی تفصیلی خبریں بھی اخبارات میں شائع ہوتی رہیں۔ مولانا محمد بوستان القادری نے مرکز الرضا، آسٹن میں استقبالیے کا اہتمام کیا۔ وہ "عالمی سُنّی ڈائریکٹری" کی اشاعت پر بہت مبارک باد پیش کر رہے تھے اور اسے کارنامہ قرار دے رہے تھے۔ حضرت مولانا محمد قمر الزماں اعظمی سے بریڈ فورڈ میں یومِ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اجتماع میں اور ایل فورڈ میں حضرت گنج کرم پیر سید محمد اسمٰعیل شاہ صاحب بخاری کرماں والے علیہ الرحمۃ کے سالانہ عرس شریف میں ملاقات رہی۔

بریڈ فورڈ کے جلسے کے بعد میں حضرت پیر سید معروف حسین شاہ عارف نوشاہی سے ملاقات کے لیے گیا۔ دو گھروں کے ۹ کمرے ہزاروں کتابوں سے بھرے ہوئے حضرت نے دکھائے۔ حضرت نے میری

درخواست پر ان کتابوں کی فہرست کے اہتمام کا وعدہ فرمایا، اس وقت 125 مختلف تفاسیر قرآن ہی اس ذخیرے میں نظر آئیں۔ انہوں نے بتایا کہ پاکستان میں جہلم کے قریب جو درس گاہ انہوں نے بنائی ہے اس میں بھی دس کمرے صرف کتابوں کے لیے بنائے ہیں اور ان کمروں میں کتابیں حضرت کی ذاتی لائبریری کے سوا ہوں گی۔ مجھے بہت خوشی ہوئی، ان کی اس محنت سے یقیناً لاکھوں استفادہ کرسکیں گے۔ مسلم ہینڈز کے سربراہ محترم جناب سید لخت حسین شاہ بھی ملاقات کے لیے تشریف لائے اور اہم امور پر مشاورت فرمائی۔

مولانا صاحب زادہ محمد مصباح المالک لقمانوی نے اپنا مرکز (ادارہ مصباح القرآن) تعمیر کرلیا ہے اور ہفتہ وار محفلِ درس و ذکر منعقد کرتے ہیں، ان کے والد محترم استاذ العلما حضرت مولانا محمد عبدالمالک صاحب ہزاروی کی زیرِ صدارت ایک اجتماع اس مرکز میں بھی ہوا۔ حافظ سعید احمد مکی اور حاجی محبوب الرحمٰن نہایت پُر جوش اور فعال کارکن ہیں اور جماعتِ اہلِ سنت میں ہر سُنّی کی شمولیت کے لیے مسلسل جدو جہد کر رہے ہیں۔

حضرت الحاج پیر علاء الدین صدیقی صاحب نے برطانیہ سے مسلمانوں کا ٹی وی چینل شروع کرنے کی پیش رفت کا اعلان کیا جو وہاں کے ہر مسلمان کا مطالبہ ہے کیوں کہ قادیانی ٹولے نے غیر مسلم ہونے کے باوجود برطانیہ میں اسلام کے نام سے اپنی ملحدانہ مذموم کارروائیاں ٹی وی چینل قائم کرکے جاری رکھی ہوئی ہیں۔ جب تک مسلمان اپنا ٹی وی چینل قائم کرکے جواب نہیں دیں گے اس وقت تک تمام لوگوں کو آوازِ حق نہیں پہنچ سکے گی۔ پیر علاء الدین صاحب صدیقی چوں کہ محی الدین اسلامی یونیورسٹی تعمیر کر چکے ہیں، لوگ ان سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ ٹی وی چینل بھی قائم کرلیں گے۔

برطانیہ میں مجھے کانفرنس میں ایک کتاب کسی نے دی۔ کتاب کا نام "مولانا اندھے کی لاٹھی" مولانا محمد میاں مالیگ کی یہ کتاب ۴۱۶ صفحات پر مشتمل ہے اور باریک پوائنٹ کی کمپوزنگ میں بھارت سے طبع ہوئی ہے۔ رضا اکادمی، ممبئی سے دست یاب ہے۔ سالِ رواں ہی کے ماہِ محرم میں اشاعتِ اوّل ہوئی ہے۔ یہ ان مکاتیب کا مجموعہ ہے جو مولانا محمد میاں صاحب نے برطانیہ میں موجود غیر مقلد علما عتیق الرحمٰن سنبھلی، عبدالاعلیٰ درّانی اور شفیق الرحمٰن شاہین کو شرک و بدعت کے موضوع پر سوال و جواب میں تحریر کیے۔ ان تحریروں کا موضوع "شرک و بدعت کے تعین کی صحیح سمت کی تلاش" ہے۔ مولانا محمد میاں مالیگ نے جتنے اعتراض اور سوال کیے ہیں، غیر مقلدین ان کا کوئی جواب نہیں دے سکے۔ مولانا محمد میاں نے اپنی تحریروں میں بہت سی ایسی معلومات فراہم کی ہیں جو تحقیق سے شغف رکھنے والوں کے لیے چشم کشا ہیں۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے دفاع کرتے ہوئے مولانا محمد میاں مالیگ نے بہت محنت کی ہے۔ یہ منفرد کتاب قابلِ مطالعہ ہے۔ (واضح رہے کہ مولانا محمد میاں مالیگ نے اپنی تحریروں میں درج قابلِ گرفت جملوں پر توبہ بھی تحریر کی ہے)۔

مجھے اپنی اس تحریر میں ایک ضروری بات تمام اہلِ قلم تک پہنچانی ہے اور وہ یہ کہ پاکستان سے باہر انگریزی میں صحیح العقیدہ اہلِ سنت و جماعت کی کتب کی ضرورت بہت زیادہ ہے۔ وہاں نئی نسل اپنی مادری زبان کسی قدر بول اور سمجھ تو سکتی ہے لیکن لکھنے پڑھنے میں ان کا سلسلہ صرف انگریزی سے وابستہ ہے اور انگریزی

میں انھیں ضروری دینی معلومات پر مشتمل کتب فراہم کرنا اس وقت بنیادی اور اہم کام ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ کچھ اداروں نے اس طرف توجہ کی ہے۔ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور نے دو اہم کتابیں انگریزی میں شائع کردی ہیں، ایک تو حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''تکمیل الایمان'' اور دوسری کتاب حضرت مولانا خلیل احمد خان برکاتی کی تحریر کی ہوئی ''ہمارا اسلام''۔ اس کے علاوہ سنّی یوتھ فیڈریشن، ممبئی نے علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کی کتابیں ''تبلیغی جماعت''، ''زلزلہ''، ''دعوتِ انصاف'' اور حضرت سیّد آلِ رسول نظمی مارہروی کی کتابیں "Islam the Religion Ultimate"، "Gate to the Heaven" (عورتوں کے لیے جنتی زیور کی طرز پر) اور "The way to be" پندرہ کے قریب مختلف انگریزی کتابیں شائع کی ہیں۔ عقائد کے موضوع پر ان شاء اللہ یہ کتابیں بیرونِ ملک بہت مفید ثابت ہوں گی۔ انگریزی داں لوگ اگر توجہ کریں اور اُردو میں موجود ضروری کتابوں کا ترجمہ ہوجائے تو بیرونِ ملک مقیم انگریزی خواندہ لوگوں کو گمراہی اور گمراہوں سے بچانے کا کام آسان ہوگا۔

برطانیا میں وہاں کے مطابق اس سال کچھ دن گرمی کی شدت رہی۔ یہ شدت ایک دن اتنی ہوئی کہ پہلی مرتبہ درجۂ حرارت 35 درجہ سینٹی گریڈ تک پہنچا اور فرانس کے لیے تو یہ گرمی بہت زیادہ شمار ہوئی۔ لوگ بجلی کے پنکھوں کی تلاش میں پھرتے رہے جو میسر نہ ہوئے کیوں کہ بالعموم وہاں ان کی ضرورت نہیں پڑتی۔ دوسری اہم بات یہ کہ یورپی اکثر ممالک میں سگریٹ نوشی کی ہر طرح تشہیر ممنوع کردی گئی ہے ایجاد کنندہ اپنی ہی ایجاد سے اب خوفزدہ ہیں اور مجھے بتایا گیا کہ سگریٹ بنانے والوں نے اپنا تمام سلسلہ اب ہندوستان و پاکستان میں بڑھادیا ہے۔ متعدد ہوائی کمپنیاں بھی سگریٹ نوشی کی اجازت نہیں دیتیں۔ ماحول کو آلودگی سے بچانا اور خود کو ستھرائی اور تن درستی کے لیے نقصان سے بچانا کیا ہماری ضرورت نہیں ہے؟ لوگوں کا کہنا تھا کہ مذہبی طبقہ اس بارے میں بھی عوام کی فلاح و بہبود کے لیے توجہ دے تو معاشرتی زندگی اور ماحول میں بہتری ہوگی۔

برطانیا میں اہلِ سنت و جماعت تا حال کوئی قابلِ ذکر دینی درس گاہ قائم نہیں کرسکے اور یہ کمی ان کی کمزوری ثابت ہورہی ہے۔ الحاج صوفی پیر محمد عبداللہ صاحب آف کھم کول شریف نے مثالی مسجد تو بنادی ہے، اللہ کرے کہ کوئی عمدہ دینی درس گاہ بھی وہ قائم کردیں۔ جماعت اہلِ سنت نے رکنیت سازی کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ تربیتی اجتماع بھی کیے جارہے ہیں۔ خواتین اور طلبہ کے شعبے بھی الگ الگ قائم کرنے کے لیے ابتداء کی ہے لیکن وہاں بھی متعدد تنظیمیں الگ الگ ناموں سے ہیں اور اکثریت ہوکر بھی سب بکھرے ہوئے ہیں۔ کاش کہ بیرونِ ملک رہنے والے اپنے اپنے علاقوں میں ایک متحد اور مستحکم قوت ثابت ہوں۔

ایک اہم بات یہ بھی عرض کروں کہ برطانیا کے اخباروں میں انگریز نواز ہونے کے حوالے سے قادیانیوں اور دیوبندیوں کے باہمی معترضہ بیان بھی شائع ہوئے جو تحذیر الناس کتاب اور اس کے مصنف سے دفاع کرنے والے دیوبندیوں کو بے نقاب کرتے رہے۔ یہی نہیں بلکہ قادیانیوں کے ترجمان رشید احمد چودھری نے خاتم النبیین کے وہی معنیٰ اپنے بیان میں پیش کیے جو تحذیر الناس کے مصنف نانوتوی نے لکھے ہیں، یوں

جناب محمد قاسم نانوتوی سے دفاع کر کے تحفظ ختم نبوت کے بارے میں موجودہ دیوبندی اپنے موقف کو خود کمزور کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے کہ یہ لوگ شخصی تحفظ کی بجائے شرعی موقف کی اہمیت کو سمجھیں۔

برطانیہ سے متحدہ عرب امارات کے شہر دبئی کے راستے میں حجاز مقدس پہنچا۔ چار دن مجھے دیارِ رحمت میں نور و نکہت کی بہاروں کے ملے۔ عتابیہ کی رہائش گاہیں اور بازار صفحۂ ہستی سے مٹائے جا چکے ہیں۔ اہل محبت کو وہاں بھی اب خاصی مسافت پاپیادہ طے کرنی پڑتی ہے۔ ایک شب مکہ مکرمہ میں گزری، وہاں بھی مطاف اور اس کے اطراف تبدیلی کا تعمیری کام ہو رہا ہے۔ وطن واپس آیا کہ ابا جان قبلہ علیہ الرحمۃ کے بیس ویں سالانہ دو روزہ مرکزی عرس مبارک کی تیاری کرنی تھی۔ آپ کو فوری طور پر لکھ نہ سکا۔ آپ کے مؤقر جریدہ کے ذریعے سنّی رسائل و جرائد تک یہ درخواست پہنچانی ہے کہ وہ اپنے ماہ نامے جماعتِ اہلِ سنت برطانیا کو بھجوا سکیں تو بہت اچھا ہوگا۔ ان کی سہولت کے لیے پتا درج کر رہا ہوں: Jama'at-e-ahl-e-Sunnat UK

236- Charles Road, Small Health, Birmingham - B 10 9AA (U.K)

اللہ کریم جل شانہ ملتِ اسلامیہ کو استحکام اور اہلسنّت کو اتحاد سے نوازے۔ آمین

محمد نعیم برکاتی، برکاتیہ کتب خانہ، قول پیٹ، ہبلی۔ کرناٹک

ہمیں افکار رضا کے دو شمارے ایک ساتھ موصول ہوئے۔ دعا ہے کہ اللہ جل شانہٗ اپنے پیارے حبیب ﷺ کے صدقے اور مجدد اعظم اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے وسیلے اس رسالہ کو تا قیامِ قیامت قائم و دائم رکھے۔ آمین۔۔۔

اس بات سے آپ بھی بخوبی واقف ہیں کہ "افکار رضا" کے سابقہ شمارہ بابت جولائی تا دسمبر ۲۰۰۲ء کے صفحہ ۴۹ پر عنوان "اعلیٰ حضرت کے ایک شعر کی صحیح ترجمانی" کے تحت پروفیسر طلحہ رضوی برقؔ نے جو تنقید ہمارے پیش کردہ ایک مضمون "اعلیٰ حضرت کے ایک شعر کی صحیح ترجمانی حضور احسن العلما کی زبانی" پر کی تھی اُس کا جواب ویسے تو ہم اُسی وقت لکھ کر رکھے تھے مگر اس سال "افکار رضا" کا ایک شمارہ بھی اب تک موصول نہ ہونے کے باعث اسے بھیجنے میں کاہلی ہوئی، جس کی بنا پر بھیج نہ سکے۔ اب جبکہ رسالہ موصول ہو چکا ہے تو بھیجنے کی فوراً تیاری کرلی اور یہ خط لکھ کر اس کے ہمراہ بھیج دیئے۔

اُمید کہ آئندہ شمارہ میں اس کی اشاعت فرما کر مشکور کریں گے۔ ویسے آپ بھی شاید اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ ہمارے اسلاف کے نصائح و تنبیہات ٹھوس واہل اور لائق صد احترام و عمل ہوا کرتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ بعض صاحبان کو اِس کے سمجھنے میں غلطی ہوا کرتی ہے، جس سے وہ ان حضرات کی باتوں پر بجائے آنکھ بند کر کے مان لینے اور عمل کرنے کے بے جا تنقید شروع کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض خود ستی علما ہی نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے ترجمۂ قرآن تک کی تنقید فرمائی ہے۔ جیسے علامہ غلام رسول سعیدی صاحب (پاکستان) اور حضور شیخ الاسلام وغیرہ۔

اس لیے ہم نے مناسب سمجھا کہ پروفیسر صاحب نے جو بے جا تنقید حضور احسن العلما کی تشبیہ پر فرمائی ہے اس کا جواب بادلیل پیش کر دیا جائے۔ اس لیے جلد ہی اس کی اشاعت فرما دیں۔ OOO

تحریکِ فکرِ رضا

ہمارے مقاصد:

☆ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے افکار و نظریات کو زیادہ سے زیادہ متعارف کرانا۔

☆ علماءِ اہلِ سنّت و جماعت کی رہنمائی میں مفکرین اور محققین کی ایک ٹیم کا فکرِ رضا کی ترویج و اشاعت میں دن رات کوشاں رہنا۔

☆ امام احمد رضا کی تصانیف کو سہل انداز میں جدید اسلوب کے ساتھ شائع کرنا۔

☆ امام احمد رضا کی تصانیف کو ملک کی مختلف اور بین الاقوامی زبانوں میں شائع کرانا۔

☆ اربابِ فکر و دانش کو امام احمد رضا کی تحقیقات کی طرف متوجہ کرنا۔

☆ ہر اُٹھتے ہوئے سوالوں کا امام احمد رضا کی تحقیقات کی روشنی میں جواب دینا۔

فکرِ رضا کو عام کرنے کے لیے آپ ہمارا تعاون کیجئے۔

آپ کا تعاون جہاد بالقلم میں ہمارا مدد گار ہوگا۔

بشکریہ جناب خلیل احمد رانا صاحب
پیشکش:۔ محمد احمد ترازی